عمران سیریز نمبر 73

نادیدہ ہمدرد

(مکمل ناول)

◆

کیپٹن فیاض دیر سے اس کا منتظر تھا لیکن اس کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ سلیمان کافی کی ٹرے میز پر رکھ کر پھر کچن میں جا گھسا تھا۔

”آخر گیا کہاں....؟“ فیاض نے جوزف کو مخاطب کیا۔

”کیا کہا جاسکتا ہے مسٹر....!“ جوزف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”کوئی بہت ضروری بات ہے کیا....؟“

”بہت ضروری....!“

”اب مسٹر.... یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ باس ایک گھنٹے کے بعد واپس آجائیں گے یا ایک ماہ بعد....!“

”کیوں بکواس کر رہے ہو....!“ فیاض بھنا کر بولا۔

”میں کافی بناؤں آپ کے لئے۔!“ دروازے کی طرف سے سلیمان کی آواز آئی۔

”میں خود بنالوں گا۔!“ فیاض نے خشک لہجے میں کہا اور جوزف نے سلیمان کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔

فیاض کافی پاٹ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ جوزف اسے پُر تشویش نظروں سے دیکھتا رہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جوزف میز کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فیاض ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”ٹھہرو....!“

جوزف جہاں تھا وہیں رک گیا۔ فیاض نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ ”ہیلو....!“

”کون بول رہا ہے....؟“ دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

”آپ کس سے ملنا چاہتی ہیں....؟“

”تم سے ڈارلنگ....!“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

فیاض کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار نظر آئے لیکن اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ”تو پھر ہیلو!“

”ڈاڑھی دار تو نہیں ہو۔!“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ ”ویسے بہتر یہ ہوگا کہ تم ریسیور جوزف کو دے دو۔!“

”تم آخر ہو کون....؟“

”تم کون ہو۔!“ دوسری طرف سے بھی سوال کیا گیا۔ ”نہ جوزف ہو سکتے ہو اور نہ سلیمان۔!“

”یہاں صرف یہی دونوں تو نہیں رہتے۔!“

”خوب.... تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ عمران ہو۔!“

فیاض نے بھنا کر ریسیور جوزف کی طرف بڑھا دیا۔

جوزف نے ریسیور کان سے لگا کر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور بولا۔ ”کون بولتا؟“

پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ فیاض اسے غور سے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سنتا رہا تھا پھر بولا۔ ”یہاں کیپٹن فیاض موجود ہیں۔ انتظار کر رہے ہیں۔ اچھا .... چھا.... ٹھیک ہے.... میں کہہ دوں گا۔!“ آخری جملے اس نے انگریزی میں ادا کئے تھے اور یسیور کریڈل پر رکھ کر فیاض کی طرف مڑا تھا۔

”کون تھی....؟“ فیاض نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

”کون تھی....!“ جوزف نے حیرت سے اس کا سوال دہرایا۔

”ہاں ہاں.... کون تھی....!“

”مسٹر کافی اتنی نشہ آور تو نہیں ہوتی۔!“

”کیا بکواس ہے....؟“

”میرا باس....!“ تھی ”کب سے ہو گیا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”میں نے ابھی فون پر باس سے گفتگو کی تھی۔!“

”اوہ....!“ فیاض نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔

”میں نے انہیں مطلع کر دیا ہے کہ آپ ان کے منتظر ہیں۔!“

فیاض اسے خوں خوار نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”اس نے کیا کہا ہے....؟“

”بیس منٹ کے اندر اندر پہنچ رہے ہیں۔!“

”وہ عورت کون تھی....؟“

”میں نے صرف باس کی آواز سنی تھی۔!“

”پہلے کوئی عورت تھی....!“

”ہو گی۔!“ جوزف نے لاپروائی سے کہا۔ ”نہ جانے کتنی باس کو گھیرے رہتی ہیں۔!“

”ہوں....!“ فیاض نے غراہٹ کے ساتھ کافی کی پیالی میں شکر ڈالی اور چمچہ چلانے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔ ”تم دونوں تین ماہ تک کہاں غائب رہے تھے۔؟“

”میں شکار کھیلنے گیا تھا اور باس یوگا کی مشقیں کر رہے تھے۔!“

”کہاں....؟“

”بحر الکاہل کی مچھلیاں بے حد لذیذ ہوتی ہیں مسٹر....!“

فیاض اسے تیکھی نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر وہ خاموشی سے کافی پیتا رہا تھا۔

جوزف نشست کے کمرے ہی میں جما رہا۔ اس نے فیاض کو وہاں تنہا نہیں چھوڑا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عمران پہنچ گیا۔ فیاض کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح خوشی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ”تم روز بروز چھوٹے ہوتے جا رہے ہو۔!“

”فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے میرے پاس۔ رحمان صاحب کا حکم ہے کہ تمہیں زندہ یا مردہ حاضر کیا جائے۔!“

”زندہ کو حاضر اور مردہ کو غیر حاضر کہتے ہیں سوپر فیاض....!“

”بکواس مت کرو.... تمہیں ان سے جلد ملنا ہے۔!“

”انہوں نے براہِ راست مجھ سے بات کیوں نہیں کی۔!“ عمران اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”میں نہیں جانتا....!“

”انہیں مطلع کر دو کہ میں گھر پر موجود ہوں۔!“ عمران نے فون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”وہ اس وقت جہاں ہیں وہاں سے فون پر گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔!“

“کہاں ہیں....؟”

“تم بحث کیوں کر رہے ہو میرے ساتھ چلو....!”

“ضروری نہیں کہ تم سچ ہی بول رہے ہو۔!”

“اچھا تو پھر میں تمہیں کہاں لے جانا چاہتا ہوں۔!”

“ہو سکتا ہے قاضی اور چھواروں کا انتظام تم نے پہلے ہی سے کر رکھا ہو لیکن یہ شادی ہرگز نہیں ہو سکتی۔!”

“کیا مطلب....؟” فیاض چونک کر اسے گھورنے لگا۔

“میں نے کہہ دیا ہے کہ میں ابھی شادی کے قابل نہیں ہوں۔!” عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

“رحمان صاحب نے کہا ہے اگر سیدھی طرح نہ آئے تو باندھ کر لاؤ۔!”

“لانا بے رسی....!” عمران نے جوزف کی طرف دیکھ کر کہا۔

“کک.... کیا مطلب.... باس....؟”

“رسی کا مطلب بھی نہیں سمجھتا۔ یہ مجھے باندھ کر لے جائیں گے۔ میرا باپ میری شادی کرنا چاہتا ہے۔!”

“زبردستی....!” جوزف ہکابکا رہ گیا۔

“ادھر یہی چلتا ہے۔!”

“یہ تو ظلم ہے.... سراسر زیادتی۔!”

“جاؤ....!” عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

جوزف بوکھلائے ہوئے انداز میں کمرے سے چلا گیا اور عمران فیاض کو آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔ “وہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ ابھی میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔!”

“سوال تو یہ ہے کہ تمہیں کیونکر علم ہوا۔!” فیاض اسے گھورتا ہوا بولا۔

“کیا مطلب....؟” نہ جانے کیوں عمران چونکا تھا۔

“میرے اور رحمان صاحب کے علاوہ اور کسی کو بھی اس کا علم نہیں۔!”

“ہائیں تو کیا واقعی۔!” عمران بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

“اوہ.... تو کیا تم نے یونہی....!” فیاض جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

عمران پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

“وہ اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ تم تین تین ماہ شہر سے غائب رہو۔!” فیاض کھنکار کر بولا۔

“کیا بیوی کو لے کر غائب نہیں ہو سکتا۔!”

“میں کچھ نہیں جانتا۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔ رحمان صاحب اس وقت مضافات کے ایک ایسے مکان میں موجود ہیں جہاں فون نہیں ہے۔!”

“اور وہیں میرا نکاح ہو گا۔ کوئی لاوارث لڑکی ہے کیا....؟”

“لاوارث تو نہیں.... لیکن شائد نابینا ہے۔!”

“تب تو ٹھیک ہے۔!”

“کیا ٹھیک ہے....؟”

“وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی۔!”

“میں کہتا ہوں وقت ضائع نہ کرو۔!”

“اچھا....!” عمران طویل سانس لے کر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ “جوڑا تو لڑکی والے ہی مہیا کریں گے.... یا پھر....!”

“عمران.... پلیز.... جلدی کرو۔!”

“چلو....!” عمران پیر پٹخ کر دہاڑا۔ پھر سلیمان کو آواز دے کر بولا۔ “ابے آج مسور کی دال نہیں چلے گی۔ شادی کرنے جا رہا ہوں۔!”

“رسی باس....!” جوزف کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

وہ دروازے میں کھڑا انہیں گھورے جا رہا تھا۔

“اب ضرورت نہیں ہے۔!” عمران نے کہا۔

“میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا باس....!”

“کیا خیال ہے۔!” عمران نے فیاض کی طرف دیکھ کر کہا۔

“سنجیدگی اختیار کرو....!”

“ارے تو کیا تنہا....؟”

“رحمان صاحب نے یہی کہا تھا۔!”

”بہت اچھا....!“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور جوزف سے بولا۔ ”صبر کرو.... مجبوری ہے۔ آج ہی تو معلوم ہوا ہے کہ وہ میرے باپ ہیں۔!“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں اپنے باپ کے لئے کیا کروں۔!“

”تو بھی شادی کر لے۔!“ عمران نے کہا اور فیاض اس کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچنے لگا۔ شہر سے نکل کر انہیں مزید دس میل آگے جانا پڑا۔ فیاض اُسے اپنی ہی گاڑی میں لے آیا تھا۔

دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کے درمیان ایک چھوٹی سی عمارت نظر آئی۔

”شادی کے لئے بے حد مناسب جگہ ہے۔!“ عمران بڑبڑایا۔

”چلو اترو....!“ فیاض بولا۔

”کیا قبلہ والد صاحب سچ مچ یہیں تشریف رکھتے ہیں۔!“

”میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”انہوں نے مجھے فون پر ہدایت دی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو تمہیں اس عمارت تک لے آؤں۔!“

”اور وہ شادی والی بات....!“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

”شادی کی بات تم نے چھیڑی تھی۔ میں نے سوچا کیا حرج ہے تمہارے مصرعوں پر گرہ لگا تا ہوں۔!“

”فراڈ....!“

”اگر ہاں میں ہاں ملانا فراڈ ہے تو چلو یہی سہی۔!“

”اور وہ نابینا لڑکی....؟“

”تم نے لاوارث کہا تھا میں نے نابینا کہہ کر اس کی بیچارگی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔“

”تو شادی والی بات غلط تھی۔!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں کہا۔

”جلدی کرو.... مجھے واپس بھی جانا ہے۔!“ وہ اسے دوسری طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

عمران نے ہینڈل پر زور دے کر دروازہ کھولا اور نیچے اتر گیا۔ عمارت خالی پڑی تھی۔ فیاض لویل سانس لے کر بولا۔ ”شائد انتظار کرنا پڑے گا۔!“

”میرا خیال ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”مسٹر رحمان میرے باپ ہیں۔ جتنا میں انہیں جانتا ہوں تم نہیں جان سکتے۔ لہٰذا سچی بات من و عن بیان کر جاؤ ورنہ میں نہیں کہہ سکتا کہ تم کس قسم کے حالات کا شکار ہو جاؤ گے۔!“

”میں غلط نہیں کہہ رہا۔!“ فیاض نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔ ”انہوں نے فون پر مجھ سے گفتگو کی تھی اور ابھی میں نے اس کے بارے میں جو کچھ تمہیں بتایا ہے حرف بحرف صحیح ہے۔!“

”تمہیں یقین ہے کہ فون پر وہی تھے۔!“

”تم گھاس تو نہیں کھا گئے۔ کیا میں ان کی آواز نہیں پہچانتا....!“

”فیاض صاحب اگر انہیں میری ضرورت تھی تو وہ تمہیں ہرگز تکلیف نہ دیتے بلکہ براہِ راست۔!“

عمران کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ فیاض نے اسکی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار دیکھے تھے۔

”لل.... لیکن.... وہ رحمان صاحب ہی تھے۔!“ فیاض کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔

”کیا پہلے بھی کبھی یہاں آ چکے ہو....؟“ عمران نے دفعتاً سوال کیا۔

”نہیں.... پہلی بار بتائے ہوئے پتے پر آیا ہوں۔!“

”ضروری نہیں کہ یہ وہی عمارت ہو جس کا پتہ تمہیں بتایا گیا تھا۔!“

”میرا خیال ہے کہ ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا چاہئے۔ اس عمارت کے علاوہ دور دور تک اور کوئی مارت نہیں دکھائی دیتی۔!“

عمران نے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی اور کمرے کا جائزہ لینے لگا تھا۔ ایک بار پھر انہوں نے ری عمارت کا چکر لگایا اور صدر دروازے کی طرف پلٹ آئے۔ دروازے کے قریب ہی ایک بڑا لفافہ ظر آیا جو پہلے نہیں دکھائی دیا تھا۔ عمران نے جھک کر اُسے اٹھایا۔ لفافے پر فیاض کا نام درج تھا۔

”کیا تم ڈیڈی کی رائٹنگ پہچانتے ہو....؟“ عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

”یہ ان کی رائٹنگ نہیں ہے۔!“ فیاض نے لفافہ چاک کرتے ہوئے کہا۔

عمران دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ فیاض لفافے سے برآمد ہونے والے خط کو پڑھتا رہا۔ مران بظاہر بے تعلقی کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن اس کا ذہن اسی کی طرف تھا۔ فیاض نے خط پڑھ کر طویل سانس لی۔

”ملتوی ہو گئی نا شادی۔!“ عمران کی چہکار معمول سے زیادہ بلند آہنگ تھی۔

”کچھ نہیں.... حقیقتاً سب کچھ فراڈ تھا۔!“ فیاض بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کس کا خط ہے....؟“

فیاض نے خط عمران کی طرف بڑھا دیا اور خود کھلے ہوئے دروازے کی طرف مڑ کر باہر دیکھنے لگا۔ خط کے مضمون سے لکھنے والے کی شخصیت پر روشنی نہ پڑ سکی۔ عمران بہ آواز بلند پڑھتا رہا۔

”غالباً تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کس قسم کے لوگوں سے سابقہ ہے۔ تم سب ہر وقت ہماری نظروں میں رہتے ہو۔ اس واقعے کو ذہن میں رکھو گے تو فائدے میں رہو گے۔ کیا تم مسٹر رحمان کی آواز پہچان سکے تھے۔ جس نے تم سے مدد طلب کی ہے اسے وہی کرنا پڑے گا جو ہم چاہیں گے۔ ورنہ دوسری صورت میں اس کے خاندان والوں کی خیر نہیں۔ اب یہی دیکھو کہ ہمیں اس کی بھی اطلاع ہو گئی ہے کہ اس نے تم سے مدد طلب کی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم اس سلسلے میں کس سے مدد طلب کرو گے۔ لہٰذا اس وقت وہ بھی تمہارے ہی قریب موجود ہے۔ اسے ضرور بتاؤ کہ تم کن دشواریوں میں پڑ گئے ہو لیکن اسے یاد رکھنا کہ ہم ہر وقت جاگتے رہتے ہیں۔ کوئی بھی غلط قدم تمہارے اعزہ کو موت کے منہ میں لے جائے گا۔ خدا حافظ۔!“

”خدا حافظ۔!“ عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا اور فیاض کو اسطرح گھورنے لگا جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

فیاض آنکھیں بند کئے کھڑا تھا۔

”اے کیا کھڑے کھڑے مر گئے۔!“

”اوں....!“ فیاض نے آنکھیں کھول دیں اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

”کیا قصہ ہے....؟“

”میں بہت پریشان ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ لیکن یہ مشکل بھی خود بخود آسان ہو گئی۔!“

”کون لوگ ہیں....؟“

”لیکن.... نہیں میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ واپس چلو....!“

”کہاں چلوں....؟“

”دیکھو.... مجھے پریشان نہ کرو۔!“ فیاض چیخ کر بولا۔ ”میں کچھ نہیں جانتا خواہ مخواہ مجھے کوئی پریشان کر رہا ہے۔ وہ تمہارے باپ ہی کی آواز تھی۔ لیکن اس خط کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔!“

”اچھا.... اچھا.... لیکن اب میں کہیں نہ جاؤں گا۔ مجھے اس وقت تک یہاں ٹھہرنا ہے جب تک کہ مالک مکان واپس نہیں آ جاتا۔!“

”کیوں پریشان کر رہے ہو مجھے۔!“

”میں تمہیں تو نہیں روک رہا.... تم جا سکتے ہو۔!“

”پھر تمہاری واپسی کیسے ہو گی....؟“

”تم اس کی فکر نہ کرو.... جاؤ....!“

”تم رحمان صاحب سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔!“

”یار تم اس طرح کہہ رہے ہو جیسے مجھے بہلا پھسلا کر یہاں لائے تھے۔!“

”وعدہ کرو کہ تم ان سے ذکر نہیں کرو گے۔!“

”وعدہ... اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ... بہت دنوں بعد مجھے ایسی تنہائی نصیب ہوئی ہے۔ واہ صاحب خانہ خوش ذوق آدمی معلوم ہوتا ہے۔ عمارت کے آس پاس کس قدر بینگن اگا رکھے ہیں۔!“

”نہیں تم میرے ساتھ ہی چلو گے۔!“

”صاحب خانہ سے ملے بغیر نہیں جا سکتا۔!“

”ضروری نہیں کہ یہاں کوئی رہتا بھی ہو۔!“

”میں نے ایسی علامات دیکھی ہیں جن کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ عمارت ویران نہیں رہتی۔“

”کیوں کیا تم قفل کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔!“

”نہیں....!“

”تو پھر جو کوئی بھی یہاں رہتا ہے کہیں آس پاس ہی موجود ہو گا۔!“

”میں نے خواہ مخواہ یہ مصیبت اپنے سر لی۔!“ فیاض پیر پٹخ کر بولا۔

”سنو.... فی الحال اپنے اعزہ کو بھول جاؤ۔ جن لوگوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے ان کا تعلق اس عمارت سے ہرگز نہ ہو گا۔!“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو....؟“

”اس وقت ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیئے جس کو ہماری ضرورت ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا....!“

”اس مکان کا باسی....!“

”احمق نہ بنو.... ضروری نہیں....!“

”یہ مکان غیر آباد نہیں ہے۔ کوئی یہاں دوپہر کا کھانا بھی کھائے گا۔!“ عمران اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”باورچیخانے میں تازہ ترکاریاں موجود ہیں اور آٹا گندم رکھا ہے۔!“

”اوہ....!“

”اگر اس کا تعلق ان لوگوں سے ہو سکتا ہے تو پھر وہ اول درجے کے گدھے ہیں۔ محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ اتنا بااختیار تو ہو ہی سکتا ہے کہ مالک مکان کو زبان کھولنے پر آمادہ کر سکے۔!“

”تت.... تم.... ٹھیک کہتے ہو۔!“

”تو پھر آؤ اسے تلاش کریں۔!“

”دیکھو عمران مجھے اس معاملے میں نہ ڈالو میرے کچھ اعزہ سخت خطرے میں ہیں۔!“

”اسی شہر میں ہیں....؟“

”نہیں....!“

”چلو.... صرف شہر کا نام ہی بتادو....!“

”نہیں.... ناممکن.... میں کئی دن سے پریشان ہوں۔ اگر اسے مناسب سمجھتا تو تم سے ضرور ذکر کرتا۔!“

”اچھا.... تم اپنے اعزہ کے لئے دعا کرتے رہو۔ میں تو چلا۔!“ عمران نے کہا اور عمارت سے باہر آگیا۔ چاروں طرف دور تک کھیت ہی کھیت تھے۔ لیکن ان کی روئیدگی ایسی نہیں تھی جس میں کسی کو چھپایا جاسکتا۔ وہ کھیتوں میں اترتا چلا گیا۔ دس منٹ تک تلاش جاری رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ تھک ہار کر پھر عمارت میں واپس آگیا۔

جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا فیاض نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”مم.... میں نے اسے تلاش کرلیا ہے۔!“

”کہاں ہے....؟“

”تہہ خانے میں.... بیہوش ہے.... کچن میں تہہ خانے کی سیڑھیاں ہیں۔!“

عمران فیاض کو وہیں چھوڑ کر باورچی خانے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ فیاض نے تہہ خانے کا راستہ کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ زینے طے کر کے نیچے پہنچا۔

تھوڑی دیر تک تو کچھ سجھائی ہی نہیں دیا تھا۔ پھر جب آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو وہ تہہ خانہ غلے کا گودام ثابت ہوا اور اس کی وسعت قریب قریب اتنی ہی تھی جتنی جگہ اوپر عمارت کی بنیادوں نے گھیر رکھی تھی۔

غلے کی بوریوں کے درمیان وہ چاروں خانے چت پڑا ہوا نظر آیا۔ بیہوش تھا اور یہ بیہوشی کسی نشہ آور چیز کی پیدا کردہ معلوم ہوتی تھی۔

عمران یہاں کا تفصیلی جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اس لئے ایک بار پھر اُسے اوپر آنا پڑا۔

لالٹین باورچی خانے ہی میں مل گئی۔ اُسے روشن کر کے فیاض کی طرف توجہ دیئے بغیر پھر تہہ خانے میں اُتر گیا۔

بیہوش آدمی کے دائیں ہاتھ کی آستین بازو تک چڑھی ہوئی تھی اور قمیض بھی گریبان کے قریب پھٹی نظر آئی۔

اس کا مطلب تھا جبر.... زبردستی اسے بیہوشی کا انجکشن دیا گیا تھا۔ آدمی تندرست اور چالیس کے لگ بھگ معلوم ہوتا تھا۔

اس کے قریب ہی ایک پرس بھی پڑا دکھائی دیا۔ عمران نے اسے اٹھایا اور لالٹین کی روشنی میں اس کا جائزہ لینے لگا۔ دس دس کے گیارہ نوٹ اور کچھ کاغذات اس میں سے برآمد ہوئے۔ عمران نے اُسے اپنی جیب میں ڈالا اور پھر اوپر آکر فیاض سے کہا کہ وہ بیہوش آدمی کو تہہ خانے سے نکالنے میں اس کی مدد کرے۔

عمران محسوس کر رہا تھا کہ فیاض جلد از جلد وہاں سے بھاگ نکلنا چاہتا ہے۔

”کیا یہ بھی کوئی رشتہ دار ہے تمہارا....؟“ عمران نے بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

”فضول باتیں مت کرو....!“ فیاض کے لہجے میں اضطراب تھا۔ شائد اُسے عمران پر غصہ بھی آرہا تھا لیکن اسے وہاں چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بیہوش آدمی نے کراہ کر کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں اور ان دونوں پر نظر پڑتے ہی خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔

”ڈرو نہیں....!“ عمران نرم لہجے میں بولا۔ ”اب تم محفوظ ہو۔!“

”تت.... تم کون ہو....؟“ وہ اٹھ بیٹھا۔

”وہ کون تھے جنہوں نے تمہیں اس حال کو پہنچایا۔!“

”میں نہیں جانتا۔!“

”ہم تو مسافر ہیں۔ پانی کی تلاش میں ادھر آگئے تھے۔ مکان خالی دیکھ کر حیرت ہوئی اور صدر دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اسی تشویش میں باورچی خانے تک جا پہنچا اور وہاں سے تہہ خانے میں۔ ذرا دیکھو تمہاری کوئی چیز تو چوری نہیں ہوئی۔!“

وہ حیرت سے انہیں دیکھتا رہا پھر یک بیک باورچی خانے کی طرف چل پڑا۔ عمران اس کے پیچھے تھا۔ فیاض اب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

تہہ خانے میں پہنچ کر اس آدمی نے غلے کی بوریوں کا جائزہ لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”یہاں سے تو کچھ بھی نہیں گیا۔!“

”اُوپر چل کر دیکھو....!“

”اوپر کیا رکھا ہے۔!“

”رقم.... مطلب یہ کہ تمہارا پرس وغیرہ۔!“

اس نے کمر ٹٹولی اور آہستہ سے بولا۔ ”نہیں.... سب ٹھیک ہے۔!“

”سیاہ رنگ کا کوئی پرس بھی ہے تمہارے پاس....؟“

”نہیں.... میں پرس نہیں رکھتا۔!“

وہ اوپر آئے اور عمران نے اس سے اس وقوعے کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کر دی۔ حملہ آور اس کے لئے اجنبی تھے۔ اس نے ان کی تعداد تین بتائی۔ آئے تھے اور اچانک اُسے پکڑ لیا تھا۔ ایک نے منہ بند کر دیا اور دوسرے نے بازو میں کوئی دوا انجکٹ کر دی تھی۔

”ختم کرو.... مجھے جلدی ہے۔!“ دفعتاً فیاض نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”ہاں ہاں ٹھیک ہے.... چلو....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

پھر وہ اسے متحیر چھوڑ کر عمارت سے نکل آئے تھے۔

”واپس....!“

”یار تم کسی عیالدار بیوہ کی طرح پریشان نظر آرہے ہو۔ آخر قصہ کیا ہے۔ کیا تمہارے کسی سالے پر کوئی پپتا پڑی ہے۔!“

”اوہ.... خاموش رہو....!“ فیاض دانت پیس کر بولا۔

اس نے پھر عمران کا بازو بہت مضبوطی سے پکڑ لیا تھا اور گاڑی کی طرف کھینچنے لگا تھا۔

گاڑی شہر کیطرف روانہ ہو گئی۔ عمران اب بالکل خاموش تھا۔ خود فیاض ہی تھوڑی دیر بعد بولا۔

”تم نے کسی سالے کا حوالہ کس بناء پر دیا تھا....؟“

”تم جورو کے بھائی کے علاوہ اور کسی کے لئے اتنے پریشان نہیں ہو سکتے۔!“

”مجھے بتاؤ کہ تمہیں کیونکر علم ہوا....!“ فیاض نے سخت لہجے میں کہا۔

”چلو.... ایک بات کی تو تصدیق ہوئی کہ وہ سالا ہی ہے۔!“

”میں نہیں جانتا تھا کہ کبھی مجھے ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔!“

”بہت خوب....! محکمہ سراغرسانی کا سپرنٹنڈنٹ بھی دھمکیوں سے مرعوب ہونے لگا۔!“

”سنو.... مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔!“

”اور یہ بھی اچھی طرح جان گیا ہوں کہ دھمکیاں دینے والے بہت زیادہ باخبر لوگ ہیں۔ اس حد تک جانتے ہیں کہ تم کبھی کبھار مجھ سے بھی مدد لیتے ہو۔ اس طرح یہ دھمکی براہِ راست میرے لئے ہے۔!“

”تم خود ہی سمجھدار ہو۔!“ فیاض طویل سانس لے کر بولا۔

”اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ دھمکیاں دینے والے مجھے مسخرے لگتے ہیں۔!“

”اس بات کو یہیں ختم کر دو....!“

”بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ سوپر فیاض....!“

”کیا مطلب....؟“

”یہ اسی سالے کا معاملہ ہے جو سردار گڈھ میں سول سرجن لگا ہوا ہے۔!“

”عمران....!“ فیاض کی آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔

”اس نے تم سے کسی معاملے میں مدد طلب کی ہے۔ غالباً انہی لوگوں کے خلاف جن کی طرف سے ہمیں یہ دھمکی موصول ہوئی ہے۔!“

”تم سردار گڈھ نہیں جاؤ گے....؟“

"لیکن تم نے تو مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔!"

"تمہیں کب اور کیسے معلوم ہوا....؟"

"کچھ دیر پہلے اسی عمارت میں....!"

"کیا وہ کوئی سراغ چھوڑ گئے تھے وہاں....؟"

"دیدہ دانستہ نہیں.... شائد غلطی سے۔!"

"اوہ....!"

"اور اب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کسی احمق کو خواہ مخواہ چھیڑ بیٹھنے کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔!"

"میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بات کو یہیں ختم کردو....!"

"شائد میں تمہاری درخواست پر غور کرسکوں۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ تم مجھے پوری بات بتادو۔ آخر ڈاکٹر سجاد سے کیا قصور سرزد ہو گیا ہے۔!"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا۔!"

"دوسری صورت میں خود ڈاکٹر سجاد کو بتانا پڑے گا اور شائد تم اسے بالکل ہی پسند نہ کرو۔!"

فیاض نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسٹیئرنگ کرتا رہا۔ اس کے بعد عمران نے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے فیاض کو اس مقام پر پہنچادیا ہے جہاں لوگ سب کچھ اگل دیتے ہیں۔!

* * *

سردار گڈھ کے ہوٹل میزبان کے ریکریئیشن ہال میں بین الاقوامی شہرت رکھنے والا ایک شعبدہ گر اپنے کمالات کا مظاہرہ کررہا تھا۔ بین الاقوامی شہرت کے بارے میں ان پوسٹروں سے معلوم ہوا تھا جو ہوٹل کے باہر لگے ہوئے تھے۔ براہِ راست یورپ اور امریکہ سے اطلاع نہیں آئی تھی کہ وہ وہاں بھی شہرت حاصل کرچکا ہے۔ حقیقت کا علم صرف ہوٹل کی انتظامیہ کو رہا ہوگا۔ ویسے صفدر یہی سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے شعبدہ گری کا پیشہ اختیار کرنے سے پہلے وہ بھینسوں کا بیوپاری رہا ہو۔

پھر اس نے اپنے ذہن کو کریدنا شروع کیا۔ آخر بھینسوں کے بیوپاری ہی کا خیال کیوں آیا۔ کسی اور پیشے کیطرف ذہن کیوں نہیں گیا.... اور پھر اس کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ شعبدہ گر کسی بھینسے کی طرح وحشت زدہ اور بپھری ہوئی قوتوں کا مظہر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کئی ایسے کرتب دکھائے تھے جو شعبدے کی بجائے حقیقتاً بے پناہ جسمانی قوت کا کرشمہ تھے۔

ویسے اُسے شعبدہ گر سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اس لڑکی میں دلچسپی لے رہا تھا جو شعبدہ گر کے ساتھ اسٹیج پر کام کرتی تھی۔

اس کی آنکھیں بڑی خوبصورت تھیں۔ انہیں غور سے دیکھنے پر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی جھیل کے کنارے شام ہو گئی ہو اور شفق کی لالی آہستہ آہستہ گہری ہوتی جارہی ہو۔ لیکن وہ اس میں اس لئے دلچسپی نہیں لے رہا تھا کہ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ وہ اس وقت بھی ڈیوٹی پر تھا اور اسی لڑکی کی تلاش میں سردار گڈھ آیا تھا البتہ اسے اس کا علم نہیں تھا کہ وہ کسی شعبدہ گر کے لئے کام کررہی ہے۔

اس کی تصویر اُسے عمران سے ملی تھی اور ایکس ٹو کے حکم کے مطابق اسے سردار گڈھ میں تلاش کرنا تھا۔ آسان کام نہیں تھا کیونکہ نہ تو اسے لڑکی کا نام معلوم تھا اور نہ پتا۔ اگر وہ اس شعبدہ گر کی اسسٹنٹ نہ ہوتی تو شاید ایک ماہ میں بھی اُسے تلاش نہ کرپاتا۔ میزبان ہوٹل کی تفریحات کے اشتہار ہی میں اس کی تصویر بھی نظر سے گذری تھی اور وہ شام گذارنے کے لئے سیدھا یہیں چلا آیا تھا۔

دوسری صبح وہ طویل فاصلے کی ٹیلی فون کال پر عمران کو اطلاع دے رہا تھا۔

"لڑکی کا نام "ریکھا چودھری" ہے۔ پروفیسر ایکس نامی شعبدہ گر کی اسسٹنٹ ہے۔ پروفیسر ایکس دیسی ہی آدمی ہے۔ اصل نام کا ابھی تک علم نہیں ہو سکا۔ میزبان ہوٹل میں مظاہرے کررہا ہے۔ ریکھا چودھری اسی کے ساتھ ستائیس شہزاد روڈ پر مقیم ہے۔!"

"ٹھیک ہے۔!" دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔ "تم وہیں مقیم رہ کر دونوں پر نظر رکھو۔!"

"کب تک قیام کرنا پڑے گا۔!"

"اس کا فیصلہ تمہارا باس کرے گا۔!"

"لیکن اس کے حکم کے مطابق رپورٹ تو آپ ہی کو دینی ہے۔!"

"غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرو۔!" کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا گیا۔ صفدر نے طویل سانس لی اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس نے یہ کال ٹیلی فون آفس سے کی تھی۔

ریکھا چودھری پر ہر وقت نظر رکھنا آسان کام نہیں تھا۔ کیونکہ وہ عموماً اسی وقت بنگلے سے برآمد ہوتی تھی جب شو کے لئے میزبان ہوٹل جانا ہوتا تھا۔ لہٰذا شام سے پہلے وہ اسے دوبارہ نہ دیکھ سکا۔

آج کا مخصوص شعبدہ تو ایک حیرت انگیز چیلنج ثابت ہوا۔

شعبدہ گر اعلان کر رہا تھا۔ ”خواتین و حضرات.... میں اپنی اسسٹنٹ مس ریکھا چودھری کو مشین بنانے جا رہا ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ کس طرح گوشت پوست سے ایک فولادی پیکر مین تبدیل ہو جاتی ہے۔ کوئی جوان جو اس کے مقابل رقص کر سکے۔!“

اس کے اس چیلنج پر بے شمار ہاتھ اٹھ گئے۔

”ٹھہرئیے.... پہلے پوری بات سن لیجئے۔!“ شعبدہ گر بولا۔ ”وہ تیز قسم کی موسیقی پر رقص کرے گی۔ کم از کم دس نوجوان جنہیں اپنی توانائیوں پر اعتماد ہو خود کو تیار رکھیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ پانچ منٹ سے زیادہ اس کے مقابل ٹھہرنا دشوار ہو گا۔!“

”ہم دیکھیں گے.... ہم دیکھیں گے۔!“ کئی غصیلی آوازیں تماشائیوں کی طرف سے آئیں۔

”اچھی بات ہے تو میں اس پر عمل کرنے جا رہا ہوں۔ ایک ایک نوجوان اس کے مقابل آئے گا جیسے ہی ایک تھک کر معطل ہو گا دوسرا فوراً ہی اس کی جگہ لے گا۔ لیکن ریکھا اسی رفتار سے رقص کرتی رہے گی۔!“

پھر وہ ریکھا کو ایک کرسی پر بٹھا کر عمل تنویم کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بیدار ہو کر اٹھی اور مائیکروفون سے رقص کی موسیقی منتشر ہونے لگی۔ ریکھا نے بالکل مشینی انداز میں رقص شروع کر دیا تھا۔ تماشائیوں میں سے ایک نوجوان اٹھا اور اسٹیج پر آکر ریکھا کے مقابل رقص کرنے لگا۔

موسیقی تیز ہوتی رہی۔ دونوں طوفانی انداز میں رقص کرتے رہے پھر اچانک ریکھا کا ہم رقص لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کی جگہ لینے کے لئے دوسرا پہنچا۔

ریکھا بدستور رقص کرتی رہی۔ سچ مچ ایسا ہی لگتا تھا جیسے کوئی مشین چل پڑی ہو۔ جذبات و احساسات سے عاری چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ چھ نوجوانوں کو شکست دے چکی تھی۔

پھر ایک بلند و بالا نوجوان اپنی جگہ سے اٹھا اور ریکھا کے مقابل آگیا۔ غیر معمولی طور پر توانا اور پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں کیونکہ دس منٹ گذر جانے کے باوجود بھی ریکھا ہی کی سی رفتار سے رقص کئے جا رہا تھا جب کہ دوسرے پانچ یا چھ منٹ سے زیادہ نہیں سہار سکے تھے۔ پندرھویں منٹ پر وہ اچانک لڑکھڑایا اور اسٹیج پر ڈھیر ہو گیا۔

پھر اس کے بعد کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔

ریکھا پہلے ہی کے انداز سے رقص کئے جا رہی تھی۔ ساتواں جوان جہاں گرا تھا وہیں پڑا رہا۔

اس سے پہلے جو گرے تھے وہ خود ہی اٹھ کر ہانپتے ہوئے اور شرمندگی کے آثار چہروں پر لئے اپنی جگہوں پر واپس چلے گئے تھے۔ لیکن یہ ساتواں جوان کچھ اس طرح گرا تھا کہ پھر اٹھ ہی نہ سکا۔ شعبدہ گر نے مجمعے پر نظر ڈالی اور پھر گرے ہوئے نوجوان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچا تھا اور جھک کر دیکھنے لگا تھا۔

پھر صفدر نے محسوس کیا جیسے وہ سراسیمگی میں مبتلا ہو گیا ہو۔ کبھی گرنے والے کی نبض ٹٹولتا اور کبھی سینے سے کان لگا کر دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کرنے لگتا۔

ریکھا دیوانہ وار رقص کئے جا رہی تھی اور تیز موسیقی کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھی۔

اچانک اسٹیج کا پردہ کھینچ دیا گیا۔

”کوئی گڑبڑ....!“ صفدر کرسی سے اٹھتا ہوا بڑبڑایا اور ٹھیک اسی وقت موسیقی بھی تھم گئی۔

پھر شائد اس نوجوان کے ساتھی اسٹیج کی طرف جھپٹے لیکن انہیں پردے کے پیچھے جانے سے روک دیا گیا تھا۔ صفدر بھی ان میں سے ایک کے قریب جا کھڑا ہوا۔

”کیا قصہ ہے جناب....؟“ اس نے اس سے سوال کیا۔

”وہ کہتے ہیں ڈاکٹر کو طلب کیا گیا ہے....!“ جواب ملا۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی پردہ ہٹا کر سامنے آیا اس کے ہاتھ میں مائیک تھا۔

”خواتین و حضرات!“ اس کی آواز ہال میں گونجی۔ ”ہمیں بے حد افسوس ہے کہ کھیل جاری نہیں رہ سکتا۔ ساتویں مقابلہ کرنے والے کی حالت بہتر نہیں ہے۔ ڈاکٹر کو طلب کیا گیا ہے۔!“

مجمعے پر سناٹا چھا گیا۔

پھر دس منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ ڈاکٹر نے پردے کے باہر آکر نوجوان کی موت کا اعلان کر دیا۔ وجہ ہارٹ فیلیور بتائی تھی۔ لوگ اونچی آوازوں میں شعبدہ گر کو گالیاں دینے لگے۔

◆

ڈاکٹر سجاد لاش کے پوسٹ مارٹم کے لئے تیاری کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ڈاکٹر سجاد کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ آنکھوں سے خوفزدگی کا اظہار ہونے لگا۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے میز کی طرف بڑھا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو۔!"

"کون بول رہا ہے۔!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ڈاکٹر سجاد....!"

"غالباً ہوٹل میزبان والی لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے جا رہے ہو۔ کیا خیال ہے....؟"

"مم.... میں نہیں سمجھا....!"

"ڈاکٹر سجاد.... میرا خیال ہے کہ دماغ کی شریان پھٹ جانے کی وجہ سے موت واقع ہوئی ہے۔!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"مجھ پر رحم کرو....!" ڈاکٹر سجاد گڑگڑایا۔

"تمہارا کیا بگڑتا ہے.... دوسری صورت میں تم جانتے ہی ہو کہ کیا ہوگا۔!"

"میں.... نے ابھی تک وہی کیا ہے.... جو تم کہتے رہے ہو۔ لل.... لیکن کب تک۔!"

"بس کچھ دنوں کی اور بات ہے.... اور تمہارا بگڑتا کیا ہے۔!"

"کک.... کچھ نہیں....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ڈاکٹر سجاد نے ریسیور کریڈل میں رکھ دیا اور اپنی پیشانی پر پھوٹ آنے والی ننھی ننھی بوندوں کو رومال میں جذب کرنے لگا۔

"مم.... مگر سوال تو یہ ہے۔!" وہ آہستہ سے بڑبڑا کر رہ گیا۔

لاش سردار گڈھ کے ایک متمول آدمی کے بیٹے کی تھی اور اسکا تعلق برسر اقتدار پارٹی سے تھا۔ اس وقت وہ بھی سول ہسپتال ہی میں موجود تھا۔ ڈاکٹر سجاد ایک بار پھر پسینے میں نہا گیا۔ جوں توں کر کے اس نے لاش کا پوسٹ مارٹم کیا تھا اور پھر رپورٹ لکھتے وقت اس کے ہاتھ پر بُری طرح کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی۔

رپورٹ مکمل کر کے اس نے ٹائپسٹ کے حوالے کی اور اُس سے متعلق ہدایات دیتا ہوا باہر نکلا چلا گیا۔ اسے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے عنقریب نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو جائے گا۔

اگر گاڑی میں ڈرائیور موجود نہ ہوتا تو شائد اس وقت اسے ٹیکسی کرنی پڑتی خود ڈرائیو کرنے کی سکت اس میں نہیں رہی تھی۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح گھر پہنچا.... لیکن ابھی لباس بھی تبدیل نہیں کر پایا تھا کہ کسی کی آمد کی اطلاع ملی۔

"کون ہے....؟" اس نے ملازم کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے اسے بتایا نہیں کہ میں پہلے سے وقت کا تعین کئے بغیر نہیں ملتا۔!"

"انگریز عورت ہے جناب.... آپ کا نام لے رہی ہے۔!" ملازم نے جواب دیا۔

"اوہ.... ساجد سے کہو وہ اس سے کہہ دے کہ پانچ بجے سے قبل نہیں مل سکوں گا۔!"

"بہت بہتر جناب....!" ملازم نے کہا۔

اسکے جانے کے بعد وہ بستر پر گیا تھا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد کسی نے خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔!

"کون ہے....؟" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ "آ جاؤ....!"

اس کا بڑا لڑکا ساجد کمرے میں داخل ہوا۔!

"کیا بات ہے....؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"وہ کسی طرح نہیں مانتی.... فوری طور پر ملنا چاہتی ہے۔ کوئی بہت ہی اہم معاملہ ہے۔!"

"کیا اس نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نہیں دیا....؟"

"نہیں.... اپنے بارے میں بھی وہ صرف آپ کو ہی بتائے گی۔!"

"بہت اچھا....!" ڈاکٹر طویل سانس لے کر بولا۔ "اسے ڈرائینگ روم میں بٹھاؤ۔!"

لڑکا چلا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے اس سے اس طرح ملنے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں وہ کسی قدر خائف بھی نظر آنے لگا تھا۔

جلدی جلدی اس نے شب خوابی کا لباس اتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور ڈرائینگ روم کی طرف چل پڑا۔

کوئی سفید فام غیر ملکی عورت اس کے لئے نئی چیز نہیں تھی۔ لیکن اُسے یاد نہ آسکا کہ اس عورت کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔ عمر پچیس چھبیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ چہرہ دلکش اور جسم دعوت نظر دینے والا تھا۔

"کیا ہماری گفتگو کوئی تیسرا بھی سن سکے گا۔!" عورت آہستہ سے بولی۔ اس نے یہ سوال

انگریزی میں کیا تھا لیکن ڈاکٹر کے اپنے تجربے کے مطابق انگریز نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"نن.... نہیں....!" اس نے متحیرانہ انداز میں جواب دیا۔

"میں کیپٹن فیاض کی طرف سے آئی ہوں۔!"

"اوہ....!" ڈاکٹر سجاد نے طویل سانس لی۔

"وہ معاملے کی نوعیت معلوم کرنا چاہتا ہے۔!" عورت بولی۔

کسی غیر ملکی عورت کے توسط سے؟ ڈاکٹر نے سوچا اور اس کا ذہن شبہات اور بے یقینی کی دلدل میں پھنسنے لگا۔

عورت اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً مسکرا کر بولی۔ "تم سے ملنے والے ہر دیسی آدمی کا تعاقب کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ تدبیر کی گئی ہے اور ہاں انہیں اس کا علم ہو گیا ہے کہ تم نے اپنے برادر نسبتی سے مدد طلب کی ہے۔!"

"نہیں....!" ڈاکٹر سجاد خوفزدہ انداز میں اچھل پڑا۔

"اس لئے کیپٹن فیاض براہِ راست تم سے رابطہ نہیں رکھے گا اور تم بھی اس سلسلے میں احتیاط برتو گے۔!"

"بب.... بہت اچھا....!"

"اب جلدی سے اصل معاملے کی طرف آجاؤ....!"

"مم.... میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔!"

"میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ تم نے کیپٹن فیاض کو تفصیل سے آگاہ نہیں کیا۔!"

"کچھ اشارے کئے تھے شاید وہ سمجھ نہیں سکے۔!" ڈاکٹر سجاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ٹھیک ہے.... اب وہ میرے توسط سے تفصیل جاننا چاہتا ہے۔!"

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک گہری گہری سانسیں لیتا رہا پھر بولا۔ "کوئی ایک ماہ پہلے کی بات ہے کہ ایک لاش پوسٹ مارٹم کے لئے لائی گئی۔ مجھے اس کا پوسٹ مارٹم کرنا تھا۔ ٹھیک اسی وقت فون پر کسی نامعلوم آدمی نے مجھ سے کہا کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں ہارٹ فیلیور کے علاوہ اور کوئی وجہ ظاہر نہ کی جائے۔ خلاف ورزی کی صورت میں خود مجھے یا میرے کسی بچے کو شارع عام پر گولی

ماردی جائے گی۔ یقین نہ ہو تو مجھے کھڑکی سے باہر دیکھنا چاہئے۔!"

ڈاکٹر سجاد خاموش ہو گیا۔

عورت نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "تم نے کھڑکی سے کیا دیکھا تھا۔!"

"ایک جیپ نیچے کھڑی ہوئی تھی جس میں تین آدمی بیٹھے تھے۔ خوفناک شکلوں والے اور مجھے اس طرح گھور رہے تھے جیسے قتل کر دینے کے ارادے سے آئے ہوں۔ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار بھی وہی آواز تھی۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے پولیس کو مطلع کیا تو انجام بخیر نہ ہو گا۔ گھر کی عورتیں تک اٹھوالی جائیں گی۔!"

وہ پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آج بھی میں ایسی نویں لاش کا پوسٹ مارٹم کر کے آرہا ہوں جس سے متعلق مجھے غلط رپورٹ مرتب کرنی پڑی ہے۔!"

"نویں لاش....؟"

"ہاں.... ایک ماہ کے اندر اندر نویں لاش....!"

"حقیقتاً موت کی وجوہ کیا تھیں....؟"

"زہر.... ایسا زہر جس کے اثرات دل کے علاوہ اور کہیں نہیں پائے جاتے۔!"

"ساری لاشیں ایسی ہی تھیں....؟"

"ہاں.... وہ سب ایک ہی قسم کے زہر کے شکار ہوئے تھے۔!"

"لیکن آج والی لاش تو....!"

"ہاں....!" ڈاکٹر سجاد جلدی سے بولا۔ "وہ ناچتے ناچتے گر کر مرا تھا۔ لیکن یقین کرو کہ وہ بھی اسی زہر کا شکار ہوا تھا.... اور مجھے فون پر ہدایت ملی تھی کہ رپورٹ میں دماغ کی شریان پھٹ جانے کی کہانی بیان کی جائے۔!"

"اب کچھ اس آواز کے بارے میں بتاؤ جو فون پر تم سے مخاطب ہوتی ہے۔!"

"بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی مینڈک آدمی کی طرح بولنے لگا ہو۔!"

"بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔! ڈاکٹر سجاد! کیا اس نے تمہیں بتایا کہ تم نے کیپٹن فیاض سے مدد طلب کی تھی۔!"

"نہیں.... ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔!"

"حالانکہ وہ کیپٹن فیاض کو دھمکا چکا ہے کہ اگر اس نے اس معاملے میں مداخلت کی تو تم اپنے پورے کنبے سمیت ختم کر دیئے جاؤ گے۔!"

ڈاکٹر سجاد کے پورے چہرے پر پسینہ آگیا۔

"فکر نہ کرو ڈاکٹر....!" عورت کچھ دیر بعد بولی۔ "بہت احتیاط سے کام لیا جا رہا ہے۔ بالآخر ہم انہیں قابو میں کرلیں گے ویسے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کی آواز ریکارڈ کی جا سکے۔!"

"ممکن ہے.... لیکن دوسروں کو علم ہو جائے گا۔ مطلب یہ کہ اس کی کال میرے آفس ہی میں آتی ہے۔ آج تک گھر پر کوئی کال نہیں آئی۔!"

"خیر ہم دیکھیں گے کہ اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں....!"

⁂

صفدر عمران کو رپورٹ دینا چاہتا تھا کہ شعبدہ گر کے مظاہروں پر فی الحال پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ وہ کہیں بھی اپنا کوئی شو نہیں کر سکتا۔

حسب معمول وہ ٹیلی فون آفس پہنچا اور کال بک کرانے کے بعد اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔

بیس منٹ بعد ریسیور اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ عبدالمنان کو کال کر رہا تھا۔ بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ دفعتاً سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"آپریٹر....!" صفدر دہاڑا۔ "سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔!"

"یہاں سے تو نہیں ہوا جناب....!" آپریٹر کی آواز آئی۔ "میں دیکھتا ہوں۔"

اس کے بعد ایک تیسری آواز آئی۔ "وہ نہیں دیکھ سکے گا مسٹر۔ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو سرخ رنگ کی اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ جو باہر کھڑی ہے۔!"

"کیوں.... تم کون ہو....؟" صفدر غرایا۔

"میں کوئی بھی ہوں۔ لیکن تمہارے بھلے کو کہہ رہا ہوں۔!"

"میں نہیں سمجھا....!"

"اگر تم نے میرے کہنے کے مطابق عمل نہ کیا تو باہر نکلتے ہی تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔!"

پھر آپریٹر کی آواز آئی۔ "سلسلہ دوبارہ مل گیا ہے جناب آپ گفتگو کیجئے۔!"

دوسری طرف سے عمران "ہیلو.... ہیلو....!" کئے جا رہا تھا۔

"میں خطرے میں ہوں۔!" صفدر نے کہا۔

"وضاحت کرو....!" دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔

"ابھی سلسلہ منقطع ہو گیا تھا اور دوسری آواز مجھے مشورہ دینے لگی تھی کہ باہر نکل کر سرخ رنگ کی کار میں بیٹھ جاؤں۔ ورنہ میرا جسم چھلنی کر دیا جائے گا۔!"

"نہایت معقول مشورہ تھا.... تم بُرا کیوں مان گئے۔!"

"میں خطرے میں ہوں.... یہ مذاق نہیں ہے۔!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکلا۔ آس پاس کئی گاڑیاں موجود تھیں۔ لیکن سرخ کار سیڑھیوں کے قریب ہی موجود تھی۔

ایک آدمی ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اور دوسرا پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا صفدر کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور جیب کسی قدر بھری ہوئی تھی۔

صفدر اس کا مطلب اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس جیب سے بے آواز فائر بھی ہو سکتا تھا۔

"وہ انہیں تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا سرخ کار کے قریب پہنچ گیا۔!"

"لفٹ دینے کا بہت بہت شکریہ....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "یہاں سے مجھے ٹیکسی ملنے میں دشواری پیش آتی۔!"

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر دوسری طرف اس انداز سے کھسک گیا جیسے اس آدمی کیلئے جگہ بنا رہا ہو۔!"

وہ اچھل کر اس کے برابر بیٹھا ہی تھا کہ گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

کوئی سخت سی چیز صفدر کے داہنے پہلو سے چبھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ بیٹھا اپنے چہرے پر لاپروائی کا تاثر پیدا کرتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا تھا۔ "کیا میں سگریٹ پی سکتا ہوں؟"

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔!" وہ آدمی سرد لہجے میں بولا۔

صفدر نے شانوں کو جنبش دی اور منہ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ گاڑی شہر سے ویرانے کی طرف جا رہی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف پہاڑوں کے سلسلے پھیلتے چلے گئے تھے۔ صفدر کو اصل معاملے کا علم نہیں تھا وہ تو صرف ریکھا چودھری کی تلاش میں آیا تھا اور عمران ہی کے

مشورے پر ٹیلی فون آفس سے اسے اس کے بارے میں رپورٹ دیتا رہا تھا۔ اگر وہ معاملہ اتنا ہی اہم تھا تو فون پر رپورٹ کیوں طلب کی گئی تھی اور جناب نے کتنے مزے سے فرمایا تھا چڑھ جا بیٹا سولی پر۔ پتا نہیں یہ لوگ کون ہیں اور اب اسے کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

غالباً آٹھویں میل پر گاڑی دفعتاً رک گئی تھی اور اس آدمی نے ایک لفافہ اسے تھماتے ہوئے کہا تھا۔ ”گاڑی سے اُتر جاؤ۔!“

”یہاں....؟“ صفدر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”اترو....!“ دائیں پہلو سے چبھنے والی سخت سی چیز کا دباؤ بڑھ گیا۔

صفدر نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا اور گاڑی سے اُتر گیا۔ انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے اترتے ہی گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

اب وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑا تھا۔ پھر ایک جیپ تیزی سے اس کے قریب ہی سے گذری اور وہ چونک کر اس لفافے کو گھورنے لگا جو اسے دیا گیا تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے اس نے لفافہ چاک کیا۔ انگریزی حروف میں ٹائپ کیا ہوا خط تھا۔

”فوراً واپس جاؤ.... اور عمران سے کہہ دو کہ اس چکر میں نہ پڑے۔ ورنہ اس کی لاش کا بھی پتہ نہ چلے گا۔ ہمارا سربراہِ سردار گڈھ کے معاملات میں غیر متعلق لوگوں کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ ہمارا سربراہ کتنا طاقتور ہے۔ کچھ ٹیلی فون آفس ہی کی بات نہیں۔ تم جہاں سے بھی رپورٹ بھیجنا چاہو گے ہمارے سربراہ کے علم میں پہلے آجائے گی۔ آج ہی واپس جاؤ.... اگر زندگی عزیز ہو۔

ایک ہمدرد!“

صفدر نے طویل سانس لی اور آہستہ آہستہ سے منہ چلانے لگا۔ اب سوال یہ تھا کہ شہر کس طرح جائے۔ اتنی دیر میں صرف وہی دو گاڑیاں اس سڑک پر نظر آئی تھیں۔

پھر وہ پیدل ہی شہر کی جانب چل پڑا۔ شائد آدھے گھنٹے بعد ایک ٹرک دکھائی دیا تھا اور یہ شہر ہی کی طرف جارہا تھا۔

ٹرک ڈرائیور کو یہ باور کرانے میں بھی کچھ وقت صرف ہوا کہ وہ سچ مچ قابل رحم ہے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح شہر پہنچا تھا اور پھر اس فکر میں پڑ گیا تھا کہ آج ہی کی فلائٹ سے اپنے شہر

پہنچ جائے۔ خدا خدا کر کے دوسری صبح تین بجے ایئر پورٹ پر اس کا جہاز اترا تھا اور صفدر سوچنے لگا تھا کہ کیوں نہ اسی وقت عمران کے فلیٹ پر پہنچ کر اُسے بور کیا جائے۔ اس سلسلے میں وہ جھنجھلاہٹ بھی بروئے کار آئی جو اصل معاملات سے لاعلمی کی بناء پر پیدا ہوئی تھی۔

ٹیکسی ساڑھے تین بجے عمران کی قیام گاہ کے قریب پہنچی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت وہ یقینی طور پر عمران کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دے گا۔

تین منٹ تک کال بیل کا بٹن دباتے رہنے کے بعد دروازہ کھلا تھا۔ سلیمان دروازے میں کھڑا اسے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھے جارہا تھا۔

”پیچھے ہٹو....!“ صفدر اُسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

”ج.... جی ہاں.... تشریف لائیے.... صاحب سو رہے ہیں۔!“

”جگا دو....!“

”یہ میں نہیں کر سکوں گا جناب۔ آپ ہی اٹھائیے۔ دروازہ بولٹ کئے بغیر سوتے ہیں۔!“

پھر جیسے ہی وہ خواب گاہ کی طرف بڑھا تھا عمران کی آواز آئی تھی۔ ”آخاہ آپ ہیں۔!“

دروازے کو دھکا دے کر وہ خواب گاہ میں داخل ہوا۔ عمران پالتھی مارے مسہری پر براجمان نظر آیا۔

”کہئے.... کیا وہ سرخ گاڑی آپ کو یہاں تک پہنچا گئی ہے....؟“

”اس لفافے سمیت..!“ صفدر نے جیب سے لفافہ نکال کر عمران کے آگے پھینکتے ہوئے کہا۔

”تشریف رکھئے.... یا کہئے تو بستر کا انتظام کر دیا جائے۔!“

”کہیں میں پاگلوں کی طرح چیخنے نہ لگوں....!“

”تب تو پھر زنجیروں کا انتظام کرنا پڑے گا۔!“ عمران نے لفافے سے برآمد ہونے والے خط کی طرف توجہ دیتے ہوئے کہا۔

صفدر خاموشی سے اُسے گھورے جارہا تھا اور وہ کسی تحیر زدہ بچے کے سے انداز میں خط پڑھ رہا تھا۔

”بیحد شریف لوگ معلوم ہوتے ہیں۔!“ وہ صفدر کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”کیا خیال ہے تمہارا ؟“

”اس بار آپ نے سچ مچ گردن ہی کٹوا دی ہوتی۔!“

”وہم ہے تمہارا۔ ویسے میں پوری کہانی سننا پسند کروں گا۔ بیٹھ جاؤ....!“

“اچھی بات ہے۔ یہ میں بعد میں پوچھوں گا کہ وہم کیوں ہے میرا۔ پہلے آپ کہانی سن لیجئے۔” صفدر نے کہا اور سرخ گاڑی والا واقعہ دہرانے لگا۔

“کیا خیال ہے تمہارا کہ میں نے تمہیں ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔!” عمران اس کے خاموش ہو جانے پر بولا تھا۔

“کون تھا.... جو مجھے اس الجھاوے سے نکال لیتا۔!”

“اگر وہ اس مسخرے پن پر نہ اتر آتے تب بھی تم محفوظ ہی رہتے۔ میں نے تمہیں بھیجا ہی اس لئے تھا کہ ان کی نظروں میں آجاؤ.... اب میں اتنا عقل مند بھی نہیں ہوں کہ تم سے فون پر رپورٹ مانگتا۔ دراصل یہی اندازہ کرنا تھا کہ وہ کتنے باخبر ہیں اور ان کا پھیلاؤ کس نوعیت کا ہے۔!”

“تو گویا.... میں پہلے ہی پہچانا گیا تھا۔!”

“یقیناً.... کیونکہ تم میرے ساتھ بہت زیادہ دیکھے جاتے ہو۔ ویسے مجھے علم ہو چکا ہے کہ سرخ کار تمہیں سنسان سڑک پر چھوڑ کر کہاں گئی تھی۔ عقلمند آدمی یہ کام میں کسی ایسے آدمی سے بھی لے سکتا تھا جو کبھی میرے قریب نہ آیا ہو۔!”

“اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے قربانی کا بکرا بنا کر آپ نے صحیح معلومات حاصل کی ہیں۔!”

“آٹھ آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کرتے تھے اور یہاں میری نگرانی ہو رہی ہے۔ لیکن میں فی الحال انہیں نہیں چھیڑنا چاہتا جو میری نگرانی کر رہے ہیں۔!”

“سوال تو یہ ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے....؟”

“دلچسپ کہانی ہے۔!” عمران نے کہا اور تکئے کے نیچے چیونگم کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔

“کہانی جناب.... چیونگم سے مدارات نہ کیجئے۔!”

“کیا تم نے ان بزرگ کا قصہ نہیں سنا جو حقہ پلائے بغیر نہیں مانتے تھے۔!”

“میں بہت تھکا ہوا ہوں۔!”

“چیونگم تھکن بھی دور کر دیتی ہے۔!” وہ صفدر کی طرف ایک پیس بڑھاتا ہوا بولا۔

کچھ دیر دونوں احمقوں کے سے انداز میں چیونگم کچلتے رہے۔ پھر عمران نے کہا۔ “اس کہانی کا تعلق کیپٹن فیاض سے ہے۔!”

کہانی دہرا چکا تو ہنس کر بولا۔ “اب عالم یہ ہے کہ فیاض کے آدمی بھی میری نگرانی کر رہے ہیں کہ میں کہیں سردار گڈھ نہ چلا جاؤں۔!”

“یعنی وہ اس حد تک خائف ہے۔!” صفدر ہنس پڑا۔

“کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے وہ اپنے لئے خائف نہیں ہے۔!”

“تو اس کا وہ عزیز سردار گڈھ ہی میں رہتا ہے۔!”

“ہاں....!”

“ریکھا چودھری کا کیا قصہ ہے۔ کیا فیاض کا عزیز اس سے کوئی تعلق رکھتا ہے....؟”

“پتا نہیں۔ اس کی تصویر تو اسی پرس سے برآمد ہوئی تھی جو مجھے بیہوش آدمی کے قریب غلے کے گودام میں ملا تھا۔!”

“فیاض کے اس عزیز کو آپ جانتے ہیں۔!”

“کیوں نہیں.... آج ہی اس کی کہانی بھی مجھ تک پہنچی ہے۔ اس کے بارے میں جولیا نے معلومات فراہم کی ہیں لیکن وہ میک اپ میں تھی۔!”

“وہ میک اپ میں تھی اور میں یوں ہی دار پر چڑھا دیا گیا۔!” صفدر نے بُرا مان کر کہا۔

“اگر وہ میک اپ میں نہ ہوتی تو کوئی سرخ گاڑی اسے افق کے پار ہی لے جاتی۔ تمہاری طرح لفافہ نہ لاتی میرے لئے۔!”

“خیر.... خیر.... فیاض کے عزیز کی کہانی کیا ہے....؟”

“سردار گڈھ کا سول سرجن ہے ڈاکٹر سجاد....!”

“اوہو.... نام تو سنا ہوا سا لگتا ہے۔!”

پھر عمران اسے بالتفصیل بتانے لگا تھا کہ ڈاکٹر سجاد کیوں خائف ہے اتنے میں کسی نے خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی۔

“کون ہے....؟” عمران چونک کر بولا۔

دروازہ کھلا تھا اور سلیمان کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آیا تھا۔

“کمال ہے بھئی۔!” عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔ “تم اس گھر میں بہت مقبول معلوم ہوتے ہو۔ مجھے کبھی چار بجے صبح کافی نہیں ملی۔!”

صفدر مسکرا دیا۔ لیکن سلیمان کا منہ پھولا ہوا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔

"ابے تو خود کیوں پاؤ روٹی بنا ہوا ہے۔!" عمران نے سلیمان کو گھورتے ہوئے کہا۔

"روٹیاں لگ گئی ہیں۔!" سلیمان نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"بھائی میں نے کافی کی فرمائش تو نہیں کی تھی۔ تم خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہو۔!"

"اس کی بات نہیں ہے صاحب....!" سلیمان بدستور منہ چڑھائے ہوئے بولا۔ "جب آپ نے گھنٹی بجائی۔ اس وقت خواب دیکھ رہا تھا کہ میں صاحب کے ساتھ بازار گیا ہوں اور صاحب میرے لئے سوٹ کا کپڑا خریدنے والے تھے۔ جیب سے پرس نکالا ہی تھا کہ آنکھ کھل گئی۔!"

"کھل گئی نا...ابے تو خواب میں بھی اب مجھ سے کچھ نہیں وصول کر سکتا۔" عمران نے قہقہہ لگایا۔

"کیوں....اب کیا مصیبت آگئی ہے۔!"

"ایک ہفتے سے مسلسل....دال ترکاری کھلائے چلا جا رہا ہے۔!"

"میں کیا کروں....گوشت والوں نے ہڑتال کر رکھی ہے۔!"

"بیسن کی پھلکیوں میں شوربہ لگا دیا کر اور ہر پھلکی کے اندر پتھر کا ایک ٹکڑا بھی رکھ دیا کر تا کہ ہڈی کا بھی مزا آجائے۔!"

سلیمان نے کافی کی پیالی صفدر کی طرف بڑھاتے ہوئے۔!" بس آج کل صبح سے شام تک بیٹھے گوشت کی نقل تیار کرتے رہتے ہیں۔ میں تو نہیں پکا سکتا اڑد کی دال کے کوفتے۔!"

"مچھلی اور مرغ میں کیا قباحت ہے۔!" صفدر بولا۔

"مچھلی کی شکل دیکھ کر پتہ نہیں کون یاد آنے لگتی ہیں اور مرغ بدتمیز ہوتا ہے۔!" سلیمان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"نہیں ہوتا....؟" عمران نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"ہوتا ہوگا صاحب....لیکن آپ انڈا بھی تو نہیں کھاتے۔!"

"یہ نام مجھے پسند نہیں ہے....واہ....انڈا بھی کوئی نام ہوا۔!"

"بینگن بھی اسی لئے نہیں کھاتے۔!" سلیمان نے صفدر کی طرف دیکھ کر کہا اور عمران کی طرف کافی کی پیالی بڑھائی۔

"اچھا اب تم دفع ہو جاؤ۔!"

سلیمان چلا گیا اور ڈاکٹر سجاد کی بات پھر چھڑ گئی۔

"اس کیس میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے جیالے ہیں۔ اس حد تک بیباک کہ قانون کے محافظوں کو بھی چیلنج کر سکتے ہیں۔ لیکن ان اموات کی اصل وجہ چھپانا چاہتے ہیں۔!"

"واقعی یہ حیرت انگیز ہے۔!" صفدر سر ہلا کر بولا۔

"جب انہیں یقین ہے کہ پولیس ان تک نہیں پہنچ سکے گی تو اموات کی وجہ ظاہر ہو جانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔!"

صفدر مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"اب آؤ زہر کی طرف....کوئی نامعلوم قسم کا زہر ہے۔ ڈاکٹر سجاد اسے کوئی نام نہیں دے سکا۔ پھر اس کے اثرات دل ہی تک محدود رہتے ہیں۔ معدے یا شریانوں میں اس کا سراغ نہیں ملتا اور ڈاکٹر سجاد یہ بتانے سے بھی قاصر رہا تھا کہ زہر جسموں کے اندر کس طرح داخل ہوا تھا اب تم مجھے کچھ بتاؤ کیونکہ آخری آدمی تمہارے سامنے ہی مرا تھا۔!"

"میرے سامنے مرا نہیں تھا۔ صرف گرا تھا....پہلے بھی کئی گر چکے تھے۔ اسٹیج کا پردہ کھینچ دیا گیا تھا اور قریباً پندرہ منٹ بعد موت کا اعلان کیا گیا تھا۔!"

"رقص کے دوران میں ان کا درمیانی فاصلہ کتنا رہا ہوگا....؟"

"یہی کوئی تین چار فٹ....!"

"ذہن پر زور دے کر بتاؤ کہ گرنے سے قبل کیا وہ فاصلہ کسی قدر کم بھی ہوا تھا۔!"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں تھی۔!"

عمران تھوڑی دیر تک خاموشی سے کافی کی چسکیاں لیتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "یہ لڑکی ریکھا چودھری خدوخال کے اعتبار سے یہاں کی باشندہ نہیں معلوم ہوتی۔!"

"آپ تصویر کی بناء پر کہہ رہے ہیں۔ صد فیصد یہیں کی پیداوار ہے۔!"

"چلو....خیر....!"

"لیکن جس کے پرس سے وہ تصویر برآمد ہوئی تھی اس کے لئے آپ نے کیا کیا۔!"

"کچھ بھی نہیں....اس کی شخصیت پر تو لڑکی ہی روشنی ڈال سکے گی۔!"

"تو آپ یہیں بیٹھے بیٹھے کام چلائیں گے۔!"

"اب تم خود ہی دیکھو دو اطراف سے گھرا ہوا ہوں۔!"

"کہیں یہ حرکت اسی لئے تو نہیں کی گئی کہ آپ صرف اسی شہر تک محدود ہو کر رہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ فیاض ہرگز نہ چاہے گا کہ آپ شہر چھوڑ دیں۔!"

"پتا نہیں.... بھلا ابھی کیا کہا جاسکتا ہے۔!"

"ٹھیک اسی وقت پھر کسی نے باہر سے کال بل کا بٹن دبایا تھا۔!"

"اب کون ہے....؟" عمران بڑبڑایا۔

تھوڑی دیر بعد سلیمان پھر کمرے میں داخل ہوا اور کاغذ کا ایک پُرزہ عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "صدیقی صاحب دے گئے ہیں۔!"

"کون صدیقی صاحب....؟"

"تیسری منزل پر رہتے ہیں۔ ان کے یہاں کسی نے فون کر کے یہ نمبر دیا ہے کہ آپ فوراً اس نمبر پر رنگ کرلیں۔!"

عمران نے پُرزے کو غور سے دیکھا اس پر چھ ہندسوں کا ایک نمبر تحریر تھا۔

"انہوں نے کال کرنے والے کا نام نہیں بتایا۔!"

"نہیں.... بیچارے گھبرائے ہوئے سے تھے ان کی نیند بھی خراب ہوئی۔!"

"آچھا....!" عمران اٹھتا ہوا بولا۔ "دیکھتا ہوں کہ اس نمبر پر کون نالائق ہے جس نے براہِ راست بور کرنے کی بجائے میرے ایک شریف پڑوسی کو بھی بور کیا۔!"

سٹنگ روم میں آکر اس نے فون پر وہ نمبر ڈائیل کیا۔ دوسری طرف سے ریسیور اٹھانے کی آواز کے بعد "ہیلو" سنائی دی اور یہ "ہیلو" کیپٹن فیاض کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

"یہ کیا حرکت تھی....؟" عمران غرایا۔

"مجبوری.... میں بہت پریشان ہوں....!"

"اسی پریشانی میں تمہارے آدمیوں نے میری نگرانی شروع کردی ہے۔ شائد اس وقت بھی تین آدمی آس پاس موجود ہیں۔!"

"اب کوئی بھی نہیں ہے.... سب ہٹا لئے گئے۔ میں تم سے مدد کا طالب ہوں لیکن ایک تجویز کے ساتھ۔!"

"میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تجویز بھی پیش کرو۔!"

"بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔!"

"یقیناً ہے! لیکن تم بول کہاں سے رہے ہو اور یہ کس احمق کا نمبر ہے جس نے اس وقت تمہارے ہاتھوں بور ہونا پسند کیا ہے۔!"

"میں گھر سے فون نہیں کرنا چاہتا تھا۔!"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہارا فون ٹیپ کیا جاسکتا ہے۔!"

"ہاں.... یہ ممکن ہے۔!"

"تو پھر میرا فون بھی ٹیپ کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ وارننگ تمہارے لئے نہیں بلکہ میرے لئے تھی۔!"

"اُوہ.... مجھے اس کا دھیان ہی نہیں رہا۔!"

"احمق نہ بنو.... کل مجھ سے مل لو.... یہیں آجاؤ.... کوئی کمسن حسینہ بھی نہیں ہو کہ تمہارے والدین بُرا مان جائیں گے۔ اس خدائی خوار کو جھک مارنے دو جس نے تمہیں اس حال کو پہنچا دیا ہے۔!"

"اچھا.... اچھا.... میں خود ہی آؤں گا۔!"

"دوسری بات یہ کہ میں کیپٹن فیاض نہیں ہوں....!" عمران نے کہا۔

"کک.... کیا مطلب....؟"

"تم میرے باپ کی آواز بنا کر کیپٹن فیاض کو دھوکا دے سکتے ہو۔ لیکن کیپٹن فیاض بن کر مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔!"

"یہ کیا بکواس ہے....؟"

"جو کوئی بھی تمہارا باس ہو اسے مطلع کردو کہ عمران کو چھیڑنے کا انجام بُرا ہوگا۔!"

دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی۔ لیکن یہ کسی عورت کا قہقہہ تھا۔

"ہائیں.... ہائیں.... کیا ہسٹریا کی مریضہ بھی ہو۔!"

"عمران ڈارلنگ.... تم واقعی کمال کے آدمی ہو۔!" دوسری طرف سے کہا گیا۔ اس بار بھی نسوانی ہی آواز تھی۔

"آجاؤ.... اسی بات پر.... گرما گرم کافی پلاؤں گا۔!"

"آجاؤں....؟"

”یقیناً.... آوازوں کی نقالی میں جو کچا پن ہے میری مدد سے دور کرلو....!“

”اب اپنی آواز کی نقل سنو....!“

اس بار اس نے سچ مچ عمران کی آواز کی نقل اُتار کر رکھ دی تھی۔

عمران نے اُلوؤں کی طرح دیدے نچائے اور پھر چہکار کر بولا۔ ”بس اب آہی جاؤ.... ویسے مجھے یقین ہے کہ تم اپنے باس کی شخصیت سے آگاہ نہ ہو گی۔!“

”یہ حقیقت ہے مسٹر علی عمران اگر تم مجھے گرفتار بھی کرادو تو بات صرف میری ہی حد تک رہ جائے گی۔ اُس پر کوئی ہاتھ بھی نہ ڈال سکے گا۔!“

”ظاہر ہے کہ میں تمہیں گرفتار کرانے کی کوشش نہ کروں گا۔ جبکہ ان چار آدمیوں کو کئی دن سے برداشت کر رہا ہوں جو دن رات میرے پیچھے لگے رہتے ہیں۔!“

”سچ مچ بہت باخبر آدمی ہو۔ اچھا صبح سات بجے فلاڈلفیا میں میرے ساتھ ناشتہ کرو۔!“

”منظور.... لیکن تمہیں پہچانوں گا کس طرح....؟“

”میں تو تمہیں پہچانتی ہوں۔ خود مل لوں گی۔ اس کی فکر نہ کرو۔ لیکن ایک بار پھر آگاہ کردوں کہ میری گرفتاری سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔!“

”لعنت بھیجو فائدے پر.... میں عموماً گھاٹے کے سودے کیا کرتا ہوں۔!“

”اچھا بس....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”صبح سات بجے فلاڈلفیا میں ملاقات ہو گی دوسری منزل کے لاؤنج میں....!“

”بائی.... بائی....!“ کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

◆

ٹھیک سات بجے وہ فلاڈلفیا کی دوسری منزل کے لاؤنج میں پہنچ گیا تھا لیکن یہاں اسے کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ کچھ دیر انتظار کر لینے میں کیا حرج ہے۔ اس نے سوچا۔

شائد دو منٹ بعد بائیں جانب والے کمرے سے ایک خوبصورت لڑکی برآمد ہوئی تھی۔ دیسی ہی تھی لیکن بلاؤز اور اسکرٹ میں ملبوس تھی۔

عمران کو دیکھ کر مسکرائی اور سر کو خفیف سی جنبش دے کر اس کی طرف بڑھتی چلی آئی۔

”یہ ایک یادگار ملاقات ثابت ہو گی مسٹر علی عمران....!“

”یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔!“

”ناشتہ کمرے میں کریں گے۔ روم سروس کو فون کر چکی ہوں۔!“

”ضرور.... ضرور....!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

وہ اس کا بازو پکڑے ہوئے کمرے میں لائی اور دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا۔

”دروازہ کھلا رکھو.... شاید مجھے بھاگنا پڑے۔!“ عمران احمقانہ انداز میں بولا۔

”میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔!“

”خیر خیر.... تھوڑی دیر بعد تم خود ہی نکال باہر کرو گی۔ ویسے میں صرف وہ تجویز معلوم کرنے آیا ہوں جو تم بحیثیت کیپٹن فیاض پیش کرنے والی تھیں۔!“

”اوہ.... وہ.... اچھا ہی ہوا کہ تم بروقت ہوشیار ہو گئے تھے۔!“

”میں نے پوچھا تھا تجویز کیا تھی....؟“

”ناشتے کے بعد.... فی الحال تم خاموش بیٹھے رہو اور میں تمہیں دیکھتی ہوں۔!“

”کیا رکھا ہے مجھ میں....!“

”کم از کم دو من گوشت تو ضرور نکلے گا۔!“

”اوہ تو کیا تم قصابوں کے کاز سے غداری کرنے کا ارادہ رکھتی ہو....؟“

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

لڑکی نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور ایک ویٹر ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

ناشتے کے دوران میں خاموش رہی۔ کبھی کبھی عمران اُسے بڑے مغموم انداز میں دیکھ کر ٹھنڈی سانس لیتا۔ ویٹر کے رخصت ہونے کے بعد گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

”یہ بڑی عجیب بات ہے۔!“ دفعتاً عمران بولا۔ ”میرا نام علی عمران ہے اور تمہارا عالیہ عمرانہ۔!“

”ارے.... ارے.... تم نے میرا نام بھی بدل دیا۔!“

”دائیں طرف سے عالیہ اور بائیں جانب سے عمرانہ لگتی ہو۔!“

”میں تمہیں اپنا نام ہرگز نہیں بتاؤں گی۔!“

”مت بتاؤ.... میرے لئے یہی کافی ہے کہ کبھی میری والد صاحب بن جاتی ہو اور کبھی کیپٹن فیاض.... مگر سوال تو یہ ہے کہ تمہیں نقل اتارنے کے مواقع کب اور کیسے ملے....؟“

”بے شمار اہم شخصیتوں کی آوازوں کے ٹیپ میرے پاس موجود ہیں۔ میں انہیں ریکارڈ پر چڑھا کر مشق کیا کرتی ہوں۔!“

”ٹیپ تمہارے باس نے مہیا کیۓ ہوں گے۔!“

”ظاہر ہے....!“

”اچھا تو پچھلی رات کیا تجویز تھی میرے لئے۔!“

”یہی کہ میں بحیثیت کیپٹن فیاض تمہیں مشورہ دیتی کہ میک اپ کر کے گھر سے باہر نکل آؤ۔ کسی جگہ ایک خالی گاڑی تمہاری منتظر ہو گی۔ اسی وقت سر دار گڈھ روانہ ہو جاؤ۔!“

”مقصد....؟“

”اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتی۔ لیکن یہ ضرور بتاؤں گی کہ اس وقت کیوں مل بیٹھی ہوں۔!“

”ارے تم تو بتانے کی مشین معلوم ہوتی ہو.... ضرور بتاؤ....!“

”باس کی طرف سے یہ بھی ہدایت ملی تھی کہ اگر تم اس فون کال سے دھوکہ نہ کھاؤ تو میں تم سے گھل مل جاؤں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ تم کس حد تک جانتے ہو۔!“

”اچھا....!“ عمران نے احمقانہ انداز میں حیرت ظاہر کی۔

”ہاں....!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

”تم نے مجھ پر اتنی مہربانی کی ہے تو میں بھی تم سے کچھ نہ چھپاؤں گا تاکہ ہماری دوستی دن دونی رات چوگنی ترقی کرے مجھے تمہاری ناک کی نوک بہت اچھی لگتی ہے۔!“

”شکریہ....! ہاں تو یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے ایک دوست کو سر دار گڈھ کیوں بھیجا تھا....؟“

”میں اتنا احمق نہیں ہوں۔ لیکن تمہاری ناک کی نوک کی وجہ سے سب کچھ بتا دوں گا۔ کیا تم مجھے اپنی ناک پر انگلی رکھنے کی اجازت دے سکتی ہو....؟“

”بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں خود ہی بتائے دیتی ہوں کہ میری ناک مصنوعی ہے اور میں اس وقت میک اپ میں ہوں۔ اصلی شکل کچھ اور ہے۔!“

”مجھے تو یہی اچھی لگتی ہے۔ لہٰذا میں اصلی شکل کے چکر میں نہیں پڑوں گا۔ خیر تو سنو میری کہانی۔!“

وہ اسے اس پرس کے بارے میں بتانے لگا جو اسے غلّے کے گودام میں ملا تھا۔

”پرس سے دو رسیدیں نکلی تھیں جو سر دار گڈھ کے دو تجارتی اداروں سے تعلق رکھتی

تھیں۔ غالباً ان سے شرابیں اور ادویات خریدی گئی تھیں اور ریکھا چودھری کی تصویر بھی بر آمد ہوئی تھی۔ سر دار گڈھ سے اندازہ لگایا کہ وہ کیپٹن فیاض کا سالا ڈاکٹر سجاد ہی ہو سکتا ہے۔ جو کسی قسم کی مشکلات میں پڑا ہوا ہے۔!“

”پھر ڈاکٹر سجاد نے کیا بتایا....!“

”کچھ بھی نہیں.... میں نے فون پر بڑی صفائی سے کہہ دیا کہ اُسے کوئی پریشانی نہیں۔ کسی نے بے پر کی اڑائی ہو گی۔ اگر تم اس سلسلے میں کچھ بتا سکو تو مشکور ہوں گا۔!“

”سنو.... پیارے دوست میں کچھ بھی نہیں جانتی.... میرے لئے ڈاکٹر سجاد بھی نیا نام ہے۔ مجھے تم سے صرف یہ پوچھنے کو کہا گیا تھا کہ تمہارا کوئی دوست سر دار گڈھ کیسے جا پہنچا تھا۔!“

”اُوہ.... تب تو میں بالکل اُلو ہوں۔ میں نے تمہیں یہ سب کچھ کیوں بتا دیا۔!“

”میری ناک کی نوک پسند ہے نا تمہیں۔!“

”اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ ریکھا چودھری اور پروفیسر ایکس کے بارے میں کیا جانتی ہو۔!“

”یہ نام بھی میرے لئے نئے ہیں۔!“

”وہ ایک شعبدہ گر ہے اور ریکھا چودھری اس کی اسسٹنٹ ہے۔!“

”تو تم مجھ سے زیادہ ہی جانتے ہو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم خود ہی سر دار گڈھ کیوں نہیں گئے تھے۔!“

”چار آدمی ہر وقت میری نگرانی کرتے ہیں۔ یہ تو ہیں کیپٹن فیاض کے آدمی اور تمہارے باس کے بھی کچھ لوگ ہیں۔ دونوں یہی چاہتے ہیں کہ میں سر دار گڈھ نہ جاؤں۔!“

”بڑی عجیب بات ہے۔!“

”مجھے خواہ مخواہ چھیڑا گیا ہے۔ نہ کسی کے لینے میں نہ کسی کے دینے میں۔!“

”اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ تم صرف مجھ سے لین دین رکھو....!“

”کیا بیچتی ہو....؟“

”دردِ سر اور الجھنیں....!“

”چلو.... یہ بھی ٹھیک ہے۔ جب ضرورت ہو گی تم سے ضرور رجوع لاؤں گا۔!“ دفعتاً وہ اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچی اور ایک دم دروازہ کھول دیا پھر باہر نکل کر لاؤنج میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ اس کے بعد وہ کمرے میں پلٹ آئی تھی۔ دروازہ بند کر کے

عمران کی طرف مڑی اور اس طرح ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی جیسے دیر تک اسے خاموش رکھنا چاہتی ہو۔

عمران ہونقوں کی طرح اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ پھر وہ تیزی سے میز کی طرف آئی تھی اور اپنے وینٹی بیگ سے ڈائری اور قلم نکال کر کچھ لکھنے لگی تھی۔ عمران خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ لکھنا بند کر کے اس نے ڈائری سے ورق پھاڑا تھا اور عمران کی طرف بڑھا دیا۔

”خدا کے لئے مجھے اور میرے باپ کو بچالو۔ ہم اس مردود کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ وہ میرے باپ کی کسی ایسی کمزوری سے واقف ہو گیا ہے۔ جس کی بناء پر میرا باپ بلیک میل ہونے پر مجبور ہے۔ جب تم اُن سے ملو گے تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ وہ کتنے معزز آدمی ہیں۔ میں تم سے کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم رکھوں گی اور موقع ملتے ہی تمہیں اپنے باپ کے پاس لے چلوں گی۔ بلیک میلنگ کی کہانی اس وقت سے شروع ہوئی تھی جب میں صرف ایک چھوٹی سی بچی تھی۔ میری ماں مر چکی تھیں۔ باپ نے میری پرورش اسی انداز میں کی جس انداز میں.... اس بلیک میلر نے چاہا۔ میں اس کے خون کی پیاسی ہوں۔ کیا تم میری مدد کرو گے؟ اگر اس سے خوف زدہ ہو گئے ہو تو ابھی بتا دو تا کہ میں اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہوں کہ تم میرے کسی کام آ سکتے ہو۔!“

عمران نے تحریر کے اختتام پر ٹٹولنے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔

عمران نے اس کے ہاتھ سے قلم لے کر پرچے کی پشت پر لکھا۔

”میں تو صرف اپنے دوست کیپٹن فیاض سے عاجز ہوں کہ تعلقات کی بناء پر دھونس جماتا رہتا ہے۔ جہاں تک تمہارے باس کا تعلق ہے اس جیسے نہ جانے کتنوں کو ٹھکانے لگا چکا ہوں۔ تمہاری مدد ضرور کروں گا.... وعدہ....!“

لڑکی نے اسے پڑھ کر بے اختیارانہ انداز میں عمران کا ہاتھ چوم لیا۔ اس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قطرے جھلکنے لگے تھے۔ سگریٹ لائٹر سے اس پرزے کو جلانے کے بعد اس نے اس کی راکھ بھی مسل کر ایش ٹرے میں ڈال دی۔

”اچھا.... مسٹر علی عمران.... بہت بہت شکریہ....!“ وہ اونچی آواز میں بولی۔

”ایک بار پھر میں آپ کو آگاہ کر دوں کہ اس تنظیم میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آپ جب چاہیں خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دوں....!“

”قطعی ضروری نہیں.... میں صرف ہاتھی کا شکار کرتا ہوں۔ میں دیکھوں گا مجھے سردار گڈھ جانے سے کون روک سکتا ہے۔ تمہارے باس کو اپنی بے بسی سے لطف اندوز نہ ہونے دوں گا.... اور کچھ....!“

”نہیں بس....! ہو سکتا ہے کہ ہماری ملاقات دوبارہ بھی ہو۔!“

”تم نہایت اطمینان سے میرے فلیٹ میں آ سکتی ہو۔ اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ میرے آدمی تعاقب نہیں کریں گے۔!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”اگر تم دیکھنا چاہو تو اس وقت بھی دیکھ سکتی ہو کہ کتنی گاڑیاں میری گاڑی کا تعاقب کر رہی ہیں۔“

”مجھے یقین ہے.... ایسا ضرور ہو گا۔!“

”لیکن میں صرف ہاتھیوں کا شکار کرتا ہوں۔ گیدڑوں پر ہاتھ ڈال کر کیا کروں گا۔!“

وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں پہنچا ہی تھا کہ ایک آدمی کو تیزی سے زینوں کیطرف مڑتے دیکھا۔ اس نے پلٹ کر لڑکی کے کمرے کی جانب دیکھا۔ وہ باہر نہیں آئی تھی۔ شائد اس کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند کر لیا تھا۔ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور جیب میں چیونگم کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔ بڑی آہستگی سے زینے طے کر کے وہ نیچے پہنچا تھا اور گاڑی میں بیٹھ کر پھر فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

◆

سردار گڈھ کے پولیس ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں پروفیسر ایکس اور ریکھا چودھری سے پوچھ گچھ ہو رہی تھی۔ پروفیسر ایکس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے اس کی بڑی توہین ہو رہی ہے۔ موڈ بھی جارحانہ تھا۔

”میرا نام پروفیسر ایکس ہے۔!“ دفعتاً وہ غرایا۔ ”آخر آپ لوگ میرا اصل نام کیوں جاننا چاہتے ہیں۔!“

”یہ ضروری ہے۔!“ ڈی ایس پی اسے گھورتا ہوا بولا۔

”میں سردار گڈھ میں پندرہ سال سے مقیم ہوں یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی دو چار ماہ کے لئے دوسرے ممالک کے دورے پر چلا جاتا ہوں۔ یہاں مجھے بے شمار لوگ جانتے ہیں۔!“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بیحد اہم معاملہ ہے۔ مرنے والا ایک ایڈمنسٹریٹر کا لڑکا تھا۔!“

“تو کیا میں نے اسے مار ڈالا.... مرنا ہوتا ہے تو سب ہی مر جاتے ہیں۔ اُسے مرنا تھا مسٹر پولیس مین.... وہاں نہ مرتا کہیں اور مر جاتا۔!”

“تم حد سے بڑھ رہے ہو.... مجبوراً تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔!”

“یہ بھی کر کے دیکھ لو.... ایک گھنٹے سے زیادہ مجھے مہمان نہ رکھ سکو گے۔” شعبدہ گری میرا پیشہ ہے لیکن جس وقت یہاں کے ڈپٹی کمشنر کو معلوم ہوگا کہ میں تمہاری حراست میں ہوں تو تمہاری کارکردگی کا ریکارڈ گندہ ہو جائے گا۔!”

“دیکھا جائے گا....!” ڈی ایس پی غرا کر ایک ماتحت سے بولا۔ “بند کر دو۔!”

جیسے ہی وہ اٹھا پروفیسر کی نظر اس کے چہرے پر جم گئی۔ وہ جہاں تھا وہیں جم گیا اور کسی سحر زدہ کی طرح پروفیسر کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر دھم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی دھاریں رواں تھیں اور آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوتی جا رہی تھیں۔

“یہ کیا ہوا....؟” ڈی ایس پی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ “یہ تم نے کیا کیا....؟”

“میں نے کچھ نہیں کیا۔!” پروفیسر نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ “اتنی دور بیٹھا ہوا ہوں۔!”

ماتحت آفیسر کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ ڈی ایس پی نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر پروفیسر کی طرف دیکھنے لگا۔

“میں جس قوت کے حصار میں ہر وقت رہتا ہوں وہ میری توہین نہیں برداشت کر سکتی۔ مرنے والا زبردستی نہیں لایا گیا۔ اپنی خوشی سے ریکھا کے مقابل رقص کرنے آیا تھا۔ مجھے علم ہے کہ وہ کس کا بیٹا تھا۔!”

“میں پوچھ رہا ہوں کہ اسے کیا ہو گیا ہے....؟” ڈی ایس پی نے ماتحت آفیسر کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

“ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔!” پروفیسر نے لاپروائی سے کہا۔ “میری آنکھیں گستاخانہ نظروں کو اسی طرح کچل کر رکھ دیتی ہیں۔!”

“ڈاکٹر کو فون کرو....!” ڈی ایس پی نے دوسرے آفیسر سے کہا اور وہ باہر چلا گیا۔

“ڈاکٹر اُسے ہوش میں نہیں لا سکے گا۔!”

“پروفیسر.... مجھے غصہ نہ دلاؤ....!”

“مناسب ہوگا کہ تم بھی اپنا لہجہ ٹھیک رکھو....!”

“تم قانون کے ایک محافظ سے ہم کلام ہو۔!”

“مجھ سے ابھی تک کوئی غیر قانونی فعل سرزد نہیں ہوا۔!” پروفیسر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

دفعتاً ریکھا بولی۔ “پروفیسر پلیز....!”

وہ بیہوش آفیسر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

“اچھا....!” پروفیسر سر ہلا کر بولا۔ پلکیں جھپکائے بغیر بیہوش آفیسر کی طرف دیکھنے لگا۔

پہلے اس کی بند آنکھیں متحرک ہوئی تھیں پھر پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں اور ہلکی سی کراہ کے ساتھ اس کا پورا جسم ہل کر رہ گیا۔ ڈی ایس پی کبھی پروفیسر کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی آفیسر کی طرف... آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں کھولیں۔ چند لمحے یونہی پڑا رہا پھر یک بیک سیدھا ہو بیٹھا۔

“کیا ہوا تھا.... کیا بات تھی....؟” ڈی ایس پی نے اُسے مخاطب کیا۔

“اوہ.... کک کچھ نہیں جناب.... شائد سر چکرا گیا تھا۔!”

اتنے میں وہ آفیسر بھی آ گیا جو ڈاکٹر کے لئے فون کرنے گیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔ “اچھا مسٹر ڈی ایس پی میں تو چلا اب.... وارنٹ کے بغیر تم مجھے گرفتار نہیں کر سکو گے اور اب میں کسی قسم کی بھی جواب دہی کیلئے ہیڈ کوارٹر نہیں آؤں گا۔!”

“اچھی بات ہے.... اب یہی ہوگا....!” ڈی ایس پی غرایا۔

“بائی.... بائی....!” دروازے کے قریب پہنچ کر پروفیسر نے ہاتھ ہلایا تھا۔

ریکھا چودھری بھی اسی کے ساتھ چلی گئی تھی۔

“اس کا ریکارڈ آ گیا ہے جناب....!” اس آفیسر نے کہا جو کچھ دیر پہلے باہر گیا تھا۔

“کہاں ہے....؟”

“آفس میں....!”

“تم نے دیکھا....؟”

“یس سر! آپ اس کے لئے آسانی سے وارنٹ حاصل نہ کر سکیں گے۔ ججوں اور مجسٹریٹوں کی آنکھوں کا تارا ہے۔!”

"پتہ نہیں تم کیا بکواس کر رہے ہو....!"

"جسٹس فضل کریم اس کے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔ یہ میں پہلے سے جانتا تھا اس کا نام ابھی ابھی ریکارڈ میں دیکھا ہے۔ کرنل جبار غزنوی دوسری جنگ عظیم میں افریقہ کے محاذ پر لڑ چکا ہے۔ یہاں کے بہتیرے سولین آفیسر اس کے ماتحت رہ چکے ہیں۔!"

"اُوہ....!" ڈی ایس پی اٹھ گیا۔

* * *

فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!"

"ہیلو ہینڈسم....!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"آپ کی تعریف....؟"

"عالیہ عمرانہ....اتنی جلدی بھول گئے۔!"

"میں تو سمجھا تھا کہ شاید اب کبھی ملاقات نہ ہو۔!"

"حالانکہ تم نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا....!"

"کیا تو تھا.... لیکن آج کل کسی بات پر بھی یقین نہیں آرہا....!"

"کیوں....؟ کیا ہوا....!"

"دال ترکاری نے عقل خبط کر کے رکھ دی ہے۔!"

"اپنا بکرا خود ذبح کرنا سیکھو....!"

"بکرے کی ماں جو خیر مناتی رہتی ہے۔ ترس آجاتا ہے.... خیر....اب تم آجاؤ اپنے معاملے کی طرف.... قصابوں سے تو میں سمجھ لوں گا.... بکرے کا گوشت چار آنے سیر نہ بکوا دیا ہو تو کچھ نہ کیا۔!"

"دس بجے سی سائیڈ ہیون میں ملو....!"

"ناک وہی رہے گی یا دوسری....؟"

"میری ناک کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔!"

"خطرناک ہے۔!"

"ٹھیک دس بجے.... سی سائیڈ ہیون....!"

"چار چار گاڑیاں میرے پیچھے دوڑتی ہیں اور یہ جلوس مجھے قطعی پسند نہیں آتا.... تم خود ہی کیوں نہ آجاؤ یہاں....!"

"میری دانست میں یہی بہتر ہوگا۔!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "لیکن خیر.... دیکھا جائے گا۔!"

"کہو.... کہو.... کیا کہنا چاہتی ہو....!"

"کچھ بھی نہیں....!" کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

عمران ریسیور رکھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔ نگرانی کرنے والے اب بھی موجود تھے۔ لیکن آج ان میں فرق کرنا دشوار تھا کہ کون فیاض کا آدمی ہے اور کون اس نامعلوم شخصیت سے متعلق ہے۔

اسے فی الحال فلیٹ ہی تک محدود رہنا تھا۔ ٹھیک دس بجے کسی نے دروازے پر دستک دی۔ عمران نے جوزف کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا تھا۔ جوزف پلٹا تو اس کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

"ایک بوڑھی عورت....!" اس نے احمقانہ انداز میں اطلاع دی۔

"الحمدللہ....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"وہ تم سے ملنا چاہتی ہے باس....!"

"اچھا....!" عمران نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "بلاؤ.... اور بٹھاؤ.... میں ذرا اپنے بال درست کر آؤں....!"

اس نے مسکرا کر جوزف کو آنکھ بھی ماری تھی۔ جوزف پر تو جیسے حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

عمران دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہ چند لمحے بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر صدر دروازے کی طرف بڑھا اور معمر خاتون سے بولا۔ "تشریف لائیے محترمہ....!"

عورت بوڑھی ضرور تھی لیکن لباس کے رکھ رکھاؤ کے معاملے میں جوانوں سے بھی زیادہ تیز معلوم ہوتی تھی۔

وہ جوزف کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔ "تمہارا مسٹر علی عمران سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔!"

"وہ میرے مالک ہیں۔!"

”لیکن تم تو صورت سے عقلمند معلوم ہوتے ہو۔!“

”آپ کہنا کیا چاہتی ہیں....؟“ جوزف نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”کچھ نہیں... جاؤ...!“ وہ ہاتھ ہلا کر بولی۔ ”اُسے جلدی بھیج دو میرے پاس وقت کم ہے۔!“

جوزف اس کمرے میں آیا جہاں عمران آئینے کے سامنے کھڑا خود کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اُسے جلدی ہے باس....!“ اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

”کس عمر کی ہوگی....؟“

”ساٹھ سال سے کم نہیں معلوم ہوتی....!“

”ٹھیک ہے.... اس گھر کو اسی عمر کی عورت سنبھال سکتی ہے۔!“

”کک.... کیا مطلب باس....؟“

”جلد ہی دیکھ لو گے کہ میں تم لوگوں سے کس قسم کا انتقام لینے والا ہوں۔!“ جوزف کچھ نہ بولا۔ حیرت سے اُسے دیکھتا رہا۔

”سٹنگ روم میں تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہوگی۔!“ کمرے سے نکلتے وقت اس نے جوزف کو مخاطب کیا تھا۔

بوڑھی عورت آرام کرسی پر نیم دراز تھی۔ عمران کو دیکھ کر بھی اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

”آخر کتنی دیر بعد ملاقات ہو سکے گی؟“ اس نے عمران کو گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”کس سے....؟“ عمران بولا۔

”مسٹر علی عمران سے....!“

”اُوہو... ٹھہریئے... ابھی بھیجتا ہوں۔!“ عمران نے کہا اور پھر اسی کمرے میں آیا۔ ڈریسنگ میز کی دراز سے ریڈی میڈ میک اپ نکالا اور اسے ناک پر فٹ کرتا ہوا سٹنگ روم میں داخل ہوا۔

بوڑھی عورت اُسے دیکھتے ہی بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ پھولی ہوئی ناک کے نیچے گھنی مونچھوں کا سائبان خوف ناک تھا۔

”کک.... کون....؟“ وہ ہکلائی۔

”کس سے ملنا ہے آپ کو....؟“ عمران نے بدلی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”علی عمران سے....!“

”تو پھر ملئے.... آپ بہت خوبصورت ہیں۔!“

”تمیز سے بات کرو.... تم عمران نہیں ہو۔!“

”آپ کون ہیں....؟“

”میں کوئی بھی ہوں تمہیں اس سے کیا سروکار....!“

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے کیپٹن فیاض کی آواز سنائی دی تھی۔

”عمران....!“ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ”ڈاکٹر سجاد نے خودکشی کر لی۔!“

”کب....؟“

”ابھی اطلاع آئی ہے۔!“

”افسوس ہوا۔ اگر تم میری راہ میں حائل نہ ہوتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔!“

”اب تو.... کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہئے۔ وہاں کی پولیس کچھ نہیں کر سکتی۔!“

”لیکن میں جو کچھ کروں گا اپنے طور پر کروں گا۔!“

”تمہاری مرضی.... میں پہلی فلائٹ سے سردار گڑھ جا رہا ہوں۔!“ فیاض نے کہا۔

”جاؤ.... شائد وہیں ملاقات ہو.... ہاں خودکشی کی نوعیت کیا ہے۔!“

”گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر پھانسی لگالی....!“

”گلا گھونٹنے کے بعد بھی لٹکایا جا سکتا ہے۔!“

”میں اسی کے امکان پر غور کر رہا ہوں۔!“

”اچھا میں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔!“ عمران نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

”ہاں.... تو عالیہ عمرانہ صاحبہ.... وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔!“ وہ بوڑھی عورت کی طرف مڑ کر بولا۔

”کک.... کیا....؟“

”ڈاکٹر سجاد کو پھانسی دے کر خودکشی کا کیس بنایا گیا ہے۔!“

”وہ تو ہونا ہی تھا۔ اگر تم لوگ تیزی نہ دکھاتے تو وہ شائد زندہ ہوتا۔!“

”تم کس لئے آئی ہو....؟“

”کتنی بار پوچھو گے.... تم نے وعدہ کیا تھا۔!“

”اگر تم اور تمہارے والد بھی اسی طرح مارے گئے تو....؟“

”اللہ مالک ہے.... میں تنگ آگئی ہوں اس زندگی سے۔!“

”اچھا تو پھر مجھے کہاں لے چلو گی....؟“

”سردار گڈھ سے بیس میل ادھر ہی ہمارا فارم ہے۔!“

”سردار گڈھ سے بیس میل ادھر صرف ایک ہی فارم ہے۔ بریگیڈیئر سہراب کا فارم....!“

”اوہ.... تو تم جانتے ہو....!“

”تو کیا تم بریگیڈیئر سہراب کی بیٹی ہو....؟“

دفعتاً اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا اور عمران بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ جوزف بھی دوسرے کمرے کے دروازے میں آکھڑا ہوا تھا۔ عمران نے اسے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ سلیمان اس وقت فلیٹ میں موجود نہیں تھا۔

”اس سے کیا فائدہ....!“ عمران آگے بڑھ کر اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ”پہلے اس کے لئے کام کرنے پر مجبور تھیں۔ اب اپنے لئے بھی تھوڑی سی ہمت پیدا کرو....!“

”مم.... میں خائف ہوں عمران.... اپنے لئے نہیں اپنے باپ کے لئے.... ان کے بعد میں بالکل تنہا رہ جاؤں گی۔ انہوں نے ایک ماں کی طرح میری پرورش کی ہے۔!“

”فکر نہ کرو.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔!“

”مگر تم ابھی شائد کیپٹن فیاض سے وعدہ کر چکے ہو۔!“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ معاملہ ایک ہی گروہ کا ہے۔!“

”لیکن جس خدشے کے تحت فیاض نے تمہیں سردار گڈھ نہیں جانے دیا تھا وہی میرے لئے بھی موجود ہے۔!“

”میں کہتا ہوں تم قطعی فکر نہ کرو.... میں کسی نہ کسی طرح تمہارے فارم تک پہنچ جاؤں گا لیکن ایک دشواری ضرور پیش آئے گی۔!“

”وہ کیا....؟“ لڑکی چونک کر اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

”ضروری نہیں کہ تمہارے ڈیڈی اس مسئلے پر گفتگو کے لئے آمادہ ہو جائیں۔!“

”ارے ان کے سامنے تو نام بھی نہ لینا....!“

”پھر بات کیسے بنے گی....؟“

”کیا تم کسی اور طرح مجرم تک نہیں پہنچ سکو گے۔!“

”دیکھوں گا....!“ عمران نے پُر تفکر لہجے میں کہا۔ ”بس اب تم جاؤ زیادہ دیر تک تمہارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔!“

”میں دراصل کسی نہ کسی طرح تمہیں اپنے ساتھ ہی لے جانے کے لئے آئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر سجاد کے بارے میں معلوم کر کے ہمت چھوڑ بیٹھی۔!“

”میرے لئے بس اتنی ہی معلومات کافی ہیں کہ معاملہ بریگیڈیئر سہراب کا ہے اور تم انکی بیٹی ہو۔!“

”تو پھر بہتری کی اُمید رکھوں....!“

”صدفی صد....!“

”لیکن فارم میں مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔!“

”کیوں....؟“

”اسی بلیک میلر کا حکم ہے کہ میں فارم سے دور دور رہوں....!“

”بڑی عجیب بات ہے اور تمہارے باپ کو معلوم ہے کہ تم کو اس کے لئے کام کرنا پڑتا ہے۔!“

”ہاں.... آں....!“

”اتنے زیادہ خائف ہیں....!“

”ہاں.... میں یہی سمجھتی ہوں....!“

”بہر حال.... تم ان سے دور رہتی ہو گی۔!“

”مجھے ویرانے کی زندگی پسند نہیں۔ اس لئے سردار گڈھ میں رہتی ہوں۔!“

”وہ بلیک میلر تم سے رابطہ کس طرح قائم کرتا ہے۔!“

”فون پر....!“

”آسانی سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کہاں سے فون کرتا ہے۔!“

"سوال یہ ہے کہ پتہ کون لگائے۔ اس انداز کی گفتگو ہی نہیں ہوتی کہ ایکس چینج ہی والوں کو چوکنا پڑے۔ وہ فون پر صرف یہ اطلاع دیتا ہے کہ کسی کام کے لئے ہدایات کہاں سے ملیں گی۔!"

"مثال کے طور پر بتاؤ کہ مجھے اور کیپٹن فیاض کو اس فارم تک پہنچانے کے لئے کس طرح ہدایات ملی تھیں۔!"

"فون پر صرف اتنی سی بات کہی گئی تھی کہ تمہارے برآمدے میں ستون کے قریب رکھے ہوئے پام کے گملے کے نیچے لفافہ موجود ہے۔!"

"اوہ.... تو ہدایات تحریری ہوتی ہیں۔!"

"ہاں.... فون پر کوئی ایسی بات نہیں کہی جاتی۔ جس پر خاص طور سے شبہ کیا جاسکے یا توجہ دی جاسکے۔!"

"محفوظ طریقہ ہے....!" عمران نے پُر تفکر لہجے میں کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم اس وقت محض یاددہانی کے لئے آئی تھیں۔!"

"نہیں.... اس لئے آئی تھی کہ تمہیں ساتھ لے چلوں گی۔ لیکن اب ارادہ بدل دیا ہے۔!"

"بھلا کس طرح ساتھ لے جاتیں....؟"

"ایک ایسے آدمی کے میک اپ میں جو گروہ کے لئے کام کرتا ہے۔ لیکن آج کل یہاں موجود نہیں ہے۔ وہ ایک آدھ بار میرے ساتھ بھی کام کرچکا ہے۔ اس کی تصویر ہے میرے پاس۔ میر خیال ہے کہ اس تصویر کے سہارے میک اپ کرسکو گے۔ اگر تمہیں کچھ دشواری ہوگی تو میں مدد کروں گی۔!"

"تصویر نکالو....!"

اس نے وینٹی بیگ سے ایک تصویر نکال کر عمران کی طرف بڑھادی اور وہ اسے کچھ دیر غور سے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ "میک اپ ممکن ہے لیکن اس کا نام کیا ہے....؟"

"میں اسے آرتھر کے نام سے جانتی ہوں....!"

"خیر.... تو اب میرے لئے کیا تجویز ہے۔!"

"تم اسی شکل میں کچھ دن ڈیڈی کے فارم پر گذار سکتے ہو وہ اسے اُس شخص کے ملازم کی حیثیت سے جانتے ہیں اس لئے انہیں وہاں تمہارے قیام پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔!"

* * *

چوہان اور خاور پروفیسر ایکس کی نگرانی کررہے تھے۔ وہ اپنی رپورٹ جولیا کو دیتے تھے اور جولیا اسے ایکس ٹو تک پہنچاتی تھی۔ جولیا کا قیام ایک ایسے ریسٹ ہاؤز میں تھا جو غیر ملکی سیاحوں کے لئے وقف تھا۔ مقامی لوگوں کو وہاں نہیں ٹھہرنے دیا جاتا تھا۔

بہر حال اس وقت وہ دونوں پروفیسر کا تعاقب کررہے تھے۔ دونوں ایک ہی گاڑی میں تھے۔

"کیا خیال ہے تمہارا وہ بے مقصد گھومتا پھر رہا ہے یا نہیں....؟" خاور بڑبڑایا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔!" چوہان بولا۔

"اگر ایسا ہے تو شائد اسے تعاقب کا علم ہوگیا ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنا شبہ رفع کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی گاڑی کسی اور طرف موڑلیں۔!"

"ایسی صورت میں یہی مناسب ہوگا۔!"

خاور نے گاڑی ایک کافی شاپ کے سامنے روک دی اور پروفیسر کی گاڑی آگے نکل چلی گئی۔

چوہان نے کافی شاپ کے بیرے کو اشارے سے بلا کر گاڑی ہی میں دو کپ طلب کئے اور خاور سے بولا۔ "اس وقت وہ خلاف معمول تنہا تھا سیکریٹری ساتھ نہیں تھی۔!"

"ایسے جانگلوس کے ساتھ وہ اچھی نہیں لگتی۔!" خاور نے جماہی لے کر کہا۔

"لیکن وہ سرخ رنگ کی گاڑی پھر اس کے بنگلے میں نہیں دکھائی دی۔!"

"میں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔!"

"وہ صرف اسی دن بنگلے کی کمپاؤنڈ میں کھڑی نظر آئی تھی۔ جب صفدر کو زبردستی لے جایا گیا تھا۔ اس کے بعد سے نہیں دکھائی دی۔!"

"ہوسکتا ہے رنگ تبدیل کردیا گیا ہو۔!"

"اس ماڈل اور میک کی کسی دوسرے رنگ والی گاڑی بھی اب وہاں نہیں ہے۔ تین دن سے تو ہم ہی دیکھ رہے ہیں۔!"

اتنے میں بیرا کافی لے آیا اور وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے۔

"شام کے چار بجے تھے.... موسم بہت خوش گوار تھا۔

"اگر کوئی کام نہ ہو تو سردار گڈھ بڑی خوبصورت جگہ ہے۔!" چوہان بولا۔

“مگر ابھی تک اس کام کی نوعیت میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ !” خاور نے کہا۔

“کیوں نہ پروفیسر کی سیکریٹری سے مل بیٹھنے کی کوشش کی جائے۔ شائد اس طرح کام کی نوعیت کا اندازہ بھی ہو سکے۔ !”

“نہیں... !” خاور سر ہلا کر بولا۔ “جتنا کہا گیا ہے اس سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ !”

کافی کے برتنوں کی واپسی کے ساتھ انہوں نے بل کی ادائیگی بھی کی اور وہاں سے چل پڑے۔ پروفیسر کے بنگلے سے ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے چوبی ہٹوں کی ایک مختصر سی بستی تھی۔ جہاں زیادہ سیاح ٹھہرا کرتے تھے۔ ان دونوں نے بھی وہیں ایک ہٹ حاصل کر لیا تھا اور ان میں سے کوئی ایک ہر وقت پروفیسر کے بنگلے کی نگرانی کرتا رہتا تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا تھا جب صفدر کو زبردستی سرخ رنگ کی ایک کار میں کہیں لے جانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس سے پہلے دونوں صفدر ہی کی نگرانی پر لگائے گئے تھے۔ لیکن صفدر کو اس کا علم نہیں تھا۔ ویسے صفدر کی نگرانی کا مقصد یہی تھا کہ اس سے دو چار ہونے والوں پر نظر رکھی جائے لہٰذا ان کو اس کی فکر نہیں تھی کہ صفدر کو ویرانے میں کیوں اتارا گیا۔ وہ تو بس اس گاڑی کا تعاقب کرتے رہے تھے اور پھر وہ گاڑی پروفیسر کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔

انہوں نے اپنی رپورٹ ایکس ٹو تک پہنچائی اور وہاں سے ملی ہوئی ہدایت کے مطابق پروفیسر کے بنگلے کے قریب ہی رہائش اختیار کر لی تھی لہٰذا اس وقت وہیں ان کی واپسی ہوئی۔

جیپ ہٹ کے سامنے روک کر وہ نیچے اترے اور ہٹ کا مقفل دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے ہی والے تھے کہ بائیں جانب سے آواز آئی۔

“اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور چپ چاپ اندر چلے چلو.... !”

خاور نے مڑ کر دیکھا۔ ایک آدمی ان کی طرف ریوالور اٹھائے کھڑا تھا۔ مشینی طور پر ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ دائیں جانب بھی ایک مسلح آدمی کھڑا انہیں گھورے جا رہا تھا۔ دونوں چپ چاپ ہٹ میں داخل ہو گئے۔ ان کے پیچھے دونوں مسلح آدمی بھی تھے۔

“بیٹھ جاؤ.... !” ان میں سے ایک بولا۔

“یہ کتنی دیر میں بتاؤ گے کہ اس پاگل پن کا مقصد کیا ہے۔ !” خاور نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

“بیٹھ جاؤ.... !”

“شکریہ.... !” خاور نے لاپروائی سے طنزیہ لہجے میں کہا اور دونوں بیٹھ گئے۔

مسلح آدمیوں میں سے ایک دروازے ہی کے قریب رک گیا تھا۔ شائد اندر اور باہر دونوں اطراف میں نظر رکھنا چاہتا تھا۔ دوسرا انہیں چند لمحے خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ “تم دونوں پروفیسر صاحب کی سیکریٹری کا پیچھا کیوں کرتے ہو.... ؟”

“تم نشے میں تو نہیں ہو.... !” خاور غرایا۔

“میرے سوال کا جواب دو.... !” وہ ریوالور کو جنبش دے کر سرد لہجے میں بولا۔

“کون پروفیسر اور کیسی سیکریٹری.... ؟”

“اڑنے کی کوشش نہ کرو.... تمہیں اپنے بارے میں بتانا ہی پڑے گا۔ !”

“ہمارے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو.... ؟” چوہان بول پڑا۔

“ریکھا چودھری کا تعاقب کیوں کرتے ہو.... ؟”

“ہمارے لئے یہ نام نیا ہے۔ !”

“میں پروفیسر ایکس کی سیکریٹری کی بات کر رہا ہوں۔ !”

“اچھا.... ؟” خاور نے قہقہہ لگایا اور چوہان اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ قہقہے کے اختتام پر خاور نے کہا۔ “یہ کہو نا کہ اس شعبدہ باز کا قصہ ہے.... بھئی اس بھینسے کے ساتھ وہ ننھی سی خوبصورت فاختہ کچھ اچھی نہیں لگتی۔ !”

“میرا خیال ہے کہ تم دونوں کی مرمت ضروری ہے۔ !”

“پروفیسر ایکس کی طرف سے” چوہان نے پوچھا۔ لیکن وہ اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اپنے ساتھی سے بولا۔ “انہیں کور کئے رکھو۔ میں ان کی مرمت کروں گا۔ !”

پھر اس نے اپنا ریوالور بغلی ہولسٹر میں رکھ لیا تھا۔

خاور نے چوہان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا ہی تھا کہ وہ ان کے قریب پہنچ کر بولا۔ “تم دونوں کھڑے ہو جاؤ۔ !”

“ضروری نہیں ہے کہ ہم تمہارے کہنے سے کھڑے ہی ہو جائیں۔ !” خاور مسکرا کر بولا اور ساتھ ہی اچھل کر اس کے سینے پر ایک زوردار لات رسید کی۔ وہ اچھل کر اپنے اس ساتھی پر جا پڑا جس نے انہیں کور کر رکھا تھا۔ دونوں تلے اوپر فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ ریوالور نیچے والے کے ہاتھ

سے چھوٹ کر فرش پر پھسلتا چلا گیا۔ چوہان نے جھپٹ کر اسے اٹھالیا تھا اور انہیں کور کرتا ہوا بولا۔ ”بس.... یونہی چپ چاپ پڑے رہو۔ ہم بھی اس کا استعمال جانتے ہیں۔!“

خاور آگے بڑھا اور جھک کر دوسرے آدمی کے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالتا ہوا بولا۔ ”اب سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔!“

انہوں نے چپ چاپ تعمیل کی تھی۔!

”اب بتاؤ کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔!“ خاور نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”کسی نے بھی نہیں....!“ ایک بولا۔

”تو پھر کیا تم خدائی فوجدار ہو۔!“

”نن.. نہیں.. میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی ریکھا چودھری کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔!“

”خوب....!“ خاور طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”اس وقت تمہاری محبت یا غیرت کو کیا ہو جاتا ہے جب ہزاروں کے سامنے اسٹیج پر اپنے کرتب دکھاتی ہے۔!“

”وہ اور بات ہے....!“

”ہم تمہاری ہڈیاں توڑ دیں گے ورنہ اس کا اعتراف کرلو کہ تمہیں پروفیسر نے بھیجا ہے۔!“ چوہان نے ریوالور کو جنبش دے کر کہا۔

”کسی غلط بات کا اعتراف کیسے کرلیا جائے۔ پروفیسر ہمیں جانتا تک نہیں۔!“

”اچھی بات ہے.... تو پھر ہم تمہیں پولیس کے حوالے کئے دیتے ہیں۔!“

”نن.... نہیں....!“

”کیوں....؟ کیا تم ہماری تاج پوشی کے لئے آئے تھے۔!“

”بس اب ہم تم سے نہیں الجھیں گے۔!“

”ان ریوالوروں کے لائسنس ہیں تمہارے پاس....؟“

”دیکھو مسٹر....!“ دوسرا بولا۔ ”تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہم نے ان ریوالوروں کو اس سے پہلے کبھی دیکھا تک نہیں۔ تم ہمیں راہ چلتے پکڑ کر یہاں لائے ہو اور زبردستی ہم سے پانچ ہزار چھین لئے۔!“

”رسید بھی لکھ دیں گے پانچ ہزار کی....!“ خاور ہنس کر بولا پھر چوہان کی طرف دیکھ کر بولا۔

”یہ لوگ ہمیں شریف آدمی سمجھتے ہیں۔!“

”دراصل ہم یہی تو معلوم کرنا چاہتے تھے کہ تم کیسے لوگ ہو۔!“ دوسرا جلدی سے بول پڑا اور خاور نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ ”آخر کیوں....؟“

”ہم نہیں چاہتے کہ اس لڑکی کے سلسلے میں بہت زیادہ جانیں ضائع ہوں۔!“

”کیا مطلب....!“

”اس کے پیچھے پڑنے والے حیرت انگیز طور پر مر جاتے ہیں۔ کیا تمہیں اس جوان کا حشر یاد نہیں جو اس کے مقابل رقص کرتے کرتے مر گیا تھا۔!“

”اس سے پہلے کتنے لوگ مرے تھے....؟“

”گنتی بھی یاد نہیں.... بس سمجھ لو کہ بے شمار....!“

”ان کی اموات سے بھی زیادہ حیرت انگیز تم دونوں کا رویہ ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”پستول دکھا کر ہمیں زندہ رکھنا چاہتے تھے۔!“

”اچھا تو تمہارا جو دل چاہے کرو لیکن ہمیں روک نہ سکو گے۔!“

خاور چوہان سے بولا۔ ”تم ان کے ہاتھ پیر باندھو اور منہ پر ٹیپ چپکا کر دوسرے کمرے میں ڈال دو۔!“

”اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ہم پولیس کے سامنے اپنے اسی بیان پر جمے رہیں گے کہ تم دونوں نے ہمیں لوٹ لیا۔!“

”اگر تم کبھی پولیس کا منہ دیکھ سکے تب نا....!“ خاور سرد لہجے میں بولا۔

”میں پھر سمجھاتا ہوں کہ بڑے خسارے میں رہو گے۔!“

”فرض کرو ہمارا تعلق پولیس ہی سے ہو تو....!“ چوہان اسے گھورتا ہوا بولا۔

”معلوم نہیں ہوتا۔!“

”فضول وقت نہ ضائع کرو۔!“ خاور بولا۔ ”میں نے جو کچھ کہا ہے وہی کرو۔!“

”میری تجویز اس سے مختلف ہے۔!“ چوہان نے کہا۔ ”باندھ کر ڈالے رکھنے سے کیا فائدہ۔ گولی مارو اور ان کے ریوالور بھی ان کے قریب ہی چھوڑ کر نکل چلو۔ لاشیں سڑنے اور بدبو پھیلنے

میں تین دن لگ جائیں گے اور اتنے میں ہم اپنا کام بھی نپٹا دیں گے۔!"

"نہیں....!" وہ دونوں خوف زدہ آواز میں بولے اور پھر ایک نے تھوک نگل کر کہا۔ "سب کچھ بتا دیں گے۔!"

"بس تو پھر بتانا شروع کر دو.... ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔!" خاور بولا۔

"ہمیں یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تم لوگ کون ہو اور پروفیسر کا تعاقب کیو کرتے ہو۔ اس کی سیکریٹری کی بات تو اپنے طور پر کہی تھی۔!"

"کس نے بھیجا ہے....؟"

"کاش ہمیں معلوم ہوتا۔!" وہ دانت پیس کر بولا۔

"کیا مطلب....؟"

"ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔!"

"بلیک میل ہو رہے ہو۔!"

"نہیں خوفزدگی کی بناء پر ہمیں اس کے لئے کام کرنا پڑتا ہے.... وہ جان سے مار دینے دھمکیاں دیتا ہے۔!"

"وہ کس طرح....؟"

"پہلے پہل فون پر گفتگو ہوئی تھی اور اس نے کہا کہ جو لوگ میرے لئے کام کرنے سے ان کرتے ہیں وہ پراسرار طور پر مر جاتے ہیں۔ پھر اس نے دو چار مرنے والوں کے نام بھی لئے تھے۔

"اور تم سے یہ کام مفت لئے جاتے ہیں۔!"

"جی ہاں.... میں نے اس کی آواز بھی ریکارڈ کر لی ہے جس کا ٹیپ میرے پاس موجود ہے اس میں مختلف اوقات کے احکامات موجود ہیں۔!"

"اچھی بات ہے.... اگر تم وہ ٹیپ ہمارے حوالے کر دو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے اور تم ا سے یہی بتا دینا کہ ہم پروفیسر کی سیکریٹری کے چکر میں ہیں۔!"

"ہاں.. یہ ٹھیک رہے گا۔!" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن ٹیپ میرے گھر پر ہے۔!

"چلو.... میں چلوں گا تمہارے ساتھ اور تمہارا ساتھی ٹیپ ملنے تک یہیں رہے گا۔!"

◆

فیاض فون پر تو آمادہ ہو گیا تھا کہ وہ تنہا سردار گڈھ چلا جائے گا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد عمران کے فلیٹ میں پہنچ گیا تھا۔ وہ پُر اسرار لڑکی جا چکی تھی۔ عمران تنہا تھا۔

"ہم ساتھ چلیں گے۔!" فیاض نے کہا۔ "دو گھنٹے بعد والی فلائٹ پر دو نشستوں کا انتظام ہو گیا ہے۔!"

"اچھی بات ہے۔!" عمران طویل سانس لے کر بولا۔ "میرا پروگرام دوسرا تھا لیکن اب تمہارے ہی ساتھ چلوں گا۔!"

فیاض کچھ نہ بولا۔ بہت مغموم تھا۔ عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اب بھی اپنی زبان نہ کھولو گے۔!"

"سنو.... میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا جتنا سجاد نے فون پر مجھے بتایا تھا اُس نے بتایا تھا کہ وہ خطرے میں ہے۔ کچھ لوگ اسے دھمکیاں دے رہے ہیں۔ لہٰذا میں کسی طرح اس کے پاس پہنچ جاؤں۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا تھا تم جانتے ہی ہو۔!"

"پھر براہِ راست ہمیں دھمکی دی گئی تھی کہ ہم سردار گڈھ سے دور رہیں۔!"

"اب کیا باقی رہا ہے جس کیلئے احتیاط برتی جائے گی۔!" فیاض نے طویل سانس لے کر کہا۔

عمران کا پہلے بھی ارادہ نہیں تھا کہ اس لڑکی کے مشورے پر عمل کرے گا۔ البتہ تصویر لے کر رکھ لی تھی۔

دو بجے وہ دونوں ایئر پورٹ پر پہنچ گئے۔ دونوں خاموش تھے۔ جہاز نے دو بج کر بیس منٹ میں ٹیک آف کیا اور ٹھیک پچیس منٹ بعد سردار گڈھ کے ایئر پورٹ پر اتر گیا۔ وہ وہاں سے سیدھے ڈاکٹر سجاد کے گھر پہنچے تھے۔ گھر والوں سے اس کے علاوہ اور کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ ڈاکٹر سجاد بہت زیادہ پریشان رہا کرتا تھا۔ لیکن اپنی پریشانی کی وجہ کسی کو نہیں بتائی تھی۔

لاش کا پوسٹ مارٹم غیر ضروری سمجھا گیا تھا اور وہ تدفین کے لئے تیار تھی۔

"میری دانست میں پوسٹ مارٹم تو ہونا ہی چاہئے تھا۔!" فیاض بولا۔

"کیا فائدہ.... یہ صد فیصد خود کشی ہی کا کیس ثابت ہو گا۔!" عمران نے کہا۔ "وہ لوگ بے حد چالاک ہیں۔ لہٰذا انہیں اسی خوش فہمی میں مبتلا رہنے دو کہ ڈاکٹر سجاد نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔!"

"کیا مطلب....؟" فیاض چونک کر اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"بتا دوں گا.... فی الحال میری خاموشی ہی بہتر ہے۔!"

"تمہاری مرضی....!" فیاض نے طویل سانس لی۔

"تم نے مجھے چاروں طرف سے جکڑ رکھا تھا اسکے باوجود بھی تھوڑا بہت کام تو ہوا ہی ہے۔!"

"مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ لیکن میں کیا کرتا.... تم ہی بتاؤ۔!"

"سب ٹھیک ہے....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "میں عنقریب اس سے نپٹ لوں گا۔!"

"اب یہ عالم ہے کہ مجرم قانون کے محافظوں کو چیلنج کرنے لگے ہیں۔!"

"معمولی چور نہیں معلوم ہوتا۔ ایسا ہی ہوگا کہ اگر تم اس پر ہاتھ ڈالنا چاہو تو اوپر والے تمہارا گلا دبا دیں۔!"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔!"

"اب دوسری بات سب سے زیادہ اہم ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس نے ہمیں چھیڑا ہی کیوں؟ ظاہر ہے کہ سجاد اس بات کو آگے بڑھاتا بھی تو یہ ضروری تو نہیں تھا کہ ہم اس تک پہنچ ہی جاتے۔ اب یہی دیکھ لو کہ وہ ہم کو للکار چکا ہے لیکن ہم ابھی تک کچھ نہیں کر سکے۔!"

"ہاں.... یہ بات تو ہے۔!"

"اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔!"

"کیا....؟" فیاض اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"جس معاملے کو اس نے سجاد کے توسط سے چھپائے رکھنے کی کوشش کی تھی وہی دراصل اس تک ہماری راہنمائی کر سکتا ہے۔!"

"میں تو یہ نہیں جانتا کہ سجاد کن حالات سے دوچار تھا۔!"

"میں جانتا ہوں....!" عمران آہستہ سے بولا۔

"اگر تم جانتے ہو تو اس کا مطلب ہوا کہ مجرم سے بھی لاعلم نہ ہوگے۔!"

"افسوس تو اسی کا ہے کہ اب بھی وہیں ہوں جہاں پہلے تھا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہی معاملہ مجرم تک پہنچنے میں مدد دے گا۔!"

کوئی اور موقع ہوتا تو فیاض عمران کے سر ہو جاتا۔ لیکن اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ سجاد کے معاملے کی نوعیت کیا تھی۔!

سجاد کی تدفین کے بعد فیاض نے تو پولیس ہیڈ کوارٹر کا رخ کیا تھا اور عمران اپنے ماتحتوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

سردار گڈھ روانہ ہونے سے قبل بحیثیت ایکس ٹو، جولیا، خاور اور چوہان کو مطلع کر چکا تھا کہ اب وہ اپنی رپورٹیں سردار گڈھ ہی میں عمران کو دیں گے اور وہ خود ہی ان سے رابطہ قائم کر لے گا۔!

وہ اس ہٹ تک جا پہنچا جہاں یہ دونوں مقیم تھے۔

"چلو.... بوریت تو دور ہوئی۔!" خاور اسے دیکھ کر چہکا۔

"تم لوگ روز بروز بے حد کنجوس ہوتے جا رہے ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔!" عمران بُرا سامنہ بنا کر بولا۔

"ہم ڈیوٹی پر ہیں۔ تعطیلات گذارنے نہیں آئے۔!" چوہان بولا۔

"اچھا اب کام کی بات کرو۔ ہو سکتا ہے اس کے بعد تمہیں کہیں اور جانا پڑے اور میں خود ہی اس چوہے دان میں رہ پڑوں۔ سنا ہے کہ پروفیسر ایکس کی سیکریٹری بہت دیدہ زیب ہے۔!"

"آپ جیسے قلندروں کے لئے اس سے کیا فرق پڑے گا۔!"

"ایسا نہ کہو....! بہت دنوں سے کسی شربت کی بوتل کو ترس رہا ہوں۔!"

"وہ وہسکی کی بوتل ہے عمران صاحب....!"

"استغفر اللہ.... خیر.... رپورٹ پلیز....!"

خاور نے ان دونوں کی کہانی شروع کر دی جنہوں نے آج ان پر حملہ کیا تھا۔ اختتام پر عمران بولا۔ "اور پھر تم نے ریکارڈ اسپول حاصل کر کے انہیں چھوڑ دیا۔!"

"پھر کیا کرتے.... ہمیں کسی کو روکے رکھنے یا پولیس کے حوالے کر دینے کا حکم تو نہیں ہے۔!" چوہان ناخوش گوار لہجے میں بولا۔

"اسی لئے تو تمہارے گرو گھنٹال نے مجھے بھیجا ہے۔ تاکہ میں ہر طرح کا کام کر سکوں۔!"

"میں نے ان میں سے ایک کا گھر دیکھ لیا ہے۔ بھاگ کر کہاں جائیں گے۔!" خاور نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... تم نے اس ٹیپ کو سنا....؟"

"اسی کے گھر پر سنا تھا۔ مختلف اوقات کے احکامات ہیں۔ جن کے ذریعے انہیں پیغامات رسانی کا کام سونپا گیا تھا اور آخر میں آج ہم سے متعلق معلومات حاصل کرنے کی ہدایت تھی اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس آواز سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پروفیسر ایکس نے آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر ڈالی ہے۔!"

"گڈ.... یہ ہوئی نا کام کی بات.... لاؤ وہ اسپول مجھے دو.... میں بھی کہیں نہ کہیں
ٹرائی کروں گا۔ خیر اب بتاؤ کہ ریکھا چودھری کیا چیز ہے۔!"

"قیامت ہے....!" چوہان ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"یوم حساب کو بھی ہر وقت یاد رکھا کرو۔!" عمران نے کسی واعظ کے سے انداز میں کہا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے۔!" خاور نے پوچھا۔

"فی الحال پروفیسر ہی پر نظر رکھو....!"

"کیا صفدر اب بھی یہیں ہے۔!"

"نہیں.... پندرہ دن کی چھٹیاں وہیں گذار رہا ہے۔!"

"یہ کس خوشی میں....؟"

"پتہ نہیں.... کہہ رہا تھا خود ایکس ٹو نے اسے پندرہ دن آرام کرنے کو کہا ہے۔"

خاور سے ریکارڈڈ اسپول لیکر وہ جولیا کے ہوٹل پہنچا تھا۔ کمرے کے دروازے پر دستک دی

"کون ہے....!" اندر سے کسی مرد کی آواز آئی۔

عمران نے آنکھیں نکال کر دروازے کو گھورا اور پھر ڈھیلی ڈھالی آواز میں بولا۔ "ٹیلی گرام ہے۔
اور پھر اُس نے بڑی پھرتی سے ریڈی میڈ میک اپ جیب سے نکال کر ناک پر فٹ کرلیا
دروازہ کھلا اور ایک قد آور آدمی سامنے کھڑا نظر آیا۔

"لاؤ....!" وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

"مسز گلا را روشنڈیل کے نام ہے۔!"

"میں روشنڈیل ہوں.... لاؤ.... مجھے دو....!" وہ غرایا اور ساتھ ہی عمران نے بڑی پ
سے پیچھے ہٹ کر اس کے پیٹ پر ایک زوردار کک لگائی۔ وہ اچھل کر کمرے میں جا پڑا۔ پھر
کے دوبارہ اٹھنے سے قبل ہی عمران نے اندر داخل ہو کر دروازہ بولٹ کر دیا تھا۔

عمران نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ اس کے کوٹ کے نیچے بغلی ہولسٹر بھی موجود ہے۔
اپنا ریوالور نکال لینے میں اس نے دیر نہیں لگائی تھی۔

"کھڑے ہو جاؤ....!" عمران نے سفاکانہ انداز میں سرگوشی کی۔ "نہیں کوئی حر
نہیں.... ورنہ تمہارا سینہ چھلنی ہو جائے گا۔!"

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ بھی اوپر اٹھا دیئے۔

"عورت کہاں ہے....؟"

"تت.... تم کون ہو....؟"

"میں ہی روشنڈیل ہوں.... اور وہ میری بیوی ہے۔!"

"لل.... لیکن.... وہ تو کہہ رہی تھی کہ وہ یہاں تنہا ہے۔!"

"کچھ دیر پہلے تھی۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اب میں یہاں موجود ہوں۔ بتاؤ وہ کہاں ہے۔
رنہ سچ مچ مار ڈالوں گا۔!"

"اندر ہے....!"

"اور کون ہے وہاں....؟"

"کک.... کوئی بھی نہیں۔!"

"چلو....!" عمران نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

وہ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

جولیا کمرے میں ایک کرسی پر اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے
دئے تھے اور منہ پر ٹیپ چپکا دیا گیا تھا۔

عمران نے ریوالور کی نال اس آدمی کی گردن پر رکھ کر اس کے بغلی ہولسٹر سے پستول نکال لیا
ر پھر اس سے بولا۔ "اس کے منہ پر سے ٹیپ نکال دو....!"

اُس نے بے چون وچرا تعمیل کی۔

"اور اب ہاتھ بھی کھول دو....!"

جب وہ اس کے ہاتھ کھول چکا تو عمران نے کہا کہ اب وہ خود اس کرسی پر بیٹھ کر اپنے ہاتھ
ھوائے۔ پھر جولیا نے بڑی بے دردی سے اس کے منہ پر کئی تھپڑ مارے تھے اور پشت پر ہاتھ
ندھنے لگی تھی۔

"اب بتاؤ کیا قصہ تھا....؟" عمران نے جولیا سے پوچھا۔

وہ عمران کو اس میک اپ میں بار بار دیکھ چکی تھی۔

"یہ مجھ سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں کون ہوں اور ڈاکٹر سجاد سے کیوں ملی تھی۔!"

”تو پھر تم نے کیا بتایا....؟“

”ابھی تک تو کچھ بھی نہیں بتایا۔!“ جولیا نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

”ارے.... تو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ اپنی عقل کا آپریشن کرانا چاہتی تھیں۔“ وہ غصیلے انداز میں سر کو جھٹک کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور عمران نے قیدی کو آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ایسی بگڑی بیوی خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔!“

قیدی کچھ نہ بولا۔ اس کے نقوش کا تیکھا پن ڈھیلا پڑ چکا تھا اور آنکھوں میں سراسیمگی کے آثار پائے جاتے تھے۔

”خیر....!“ وہ تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”اب تم اپنی زبان کھولو....!“

”مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا نہیں جانتے ؟ بیوی نہیں جانتے کہ شوہر نہیں جانتے۔!“

وہ صرف تھوک نگل کر رہ گیا۔

”ہمیشہ یاد رکھو کہ سفید فام بیویاں ہم کالوں کے لئے دردِ سر بن جاتی ہیں۔!“ عمران مربیانہ انداز میں کہا۔

قیدی حیرت سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

”تمہاری شادی ہوگئی ہے یا نہیں....؟“ عمران نے بڑے پیار سے پوچھا۔

”یہ تم نے کیا بکواس شروع کر دی ہے۔!“ پشت سے جولیا کی غصیلی آواز آئی۔

”اچھا تو پھر تم ہی کوئی موضوعِ گفتگو تجویز کر دو....!“ عمران نے بھی جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”تم بتاؤ.... تمہیں کس نے بھیجا تھا....؟“ جولیا نے قیدی سے پوچھا۔

”اس کے فرشتے بھی نہ بتا سکیں گے۔!“ عمران بول پڑا۔

قیدی سختی سے ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔

”تم کیوں بکواس کر رہے ہو....؟“

”دیکھا تم نے۔ ایسی ہوتی ہیں سفید فام بیویاں.... میں بکواس کر رہا ہوں۔ اگر یہ میری کالی ہوتی تو میں اس کی زبان گدی سے کھینچ لیتا۔!“

”بتاؤ تمہیں کس نے بھیجا تھا۔!“ جولیا پیر پٹخ کر دہاڑی۔

”اگر یہ بتا سکا تو میں وہ ساڑھے ستائیس روپے بھی تمہارے حوالے کر دوں گا جو اپنے کفن دفن کے لئے بچا رکھے ہیں۔!“

”یقین کیجئے محترمہ....! مسٹر روشنڈیل سچ کہہ رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔!“ قیدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر کام لے رہا ہوگا۔!“ عمران نے خوش ہو کر کہا۔

”آپ تو سب کچھ جانتے ہیں مسٹر روشنڈیل۔!“

”اس لئے اب تم چلتے پھرتے نظر آؤ.... اس پستول کا لائسنس تو ہوگا تمہارے پاس۔!“

”یقیناً ہے مسٹر روشنڈیل.... میں سردار گڈھ کا ایک کھاتا پیتا ہوا آدمی ہوں۔!“

”شکل ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈھائی سیر سے کم نہ کھاتے ہوگے۔!“ عمران نے کہا اور اس کے پستول سے میگزین نکال کر خالی پستول بغلی ہولسٹر میں رکھ دیا۔ پھر اس نے اس کے ہاتھ بھی کھول دیئے تھے۔

”اب تم جا سکتے ہو اُسے مطلع کر دینا کہ وہ سفید فام عورت ایک دن پہلے ہی ہوٹل چھوڑ گئی ہے۔!“

”بہت بہت شکریہ مسٹر روشنڈیل خدا کرے آپکا تعلق سرکاری محکمہ سراغ رسانی سے ہو۔!“

”چلتے پھرتے نظر آؤ.... ہم بھی اسی طرح اپنے پیٹ پال رہے ہیں۔!“

اس کے بعد وہ اسے کمرے سے نکال کر پھر پلٹ آیا تھا۔ جولیا دانت پیس کر بولی۔ ”بعض اوقات سچ مچ پاگل معلوم ہونے لگتے ہو۔!“

”بعض اوقات نہیں بلکہ ہمیشہ! اسی لئے تو ابھی تک میری شادی نہیں ہو سکی۔ خواہ مخواہ مسٹر روشنڈیل بنا پھرتا ہوں۔ بہرحال اب تم بھی چلتی پھرتی نظر آؤ۔!“

”کیا مطلب....؟“

”تمہارے لئے بھی ایکس ٹو سے پندرہ دن کی چھٹی منظور کرا لایا ہوں۔!“

”میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔!“

”ان لوگوں کی نظروں میں آ گئی ہو۔ لہٰذا اب تمہارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔!“

”تم نے بڑے یقین کے ساتھ اسے جانے دیا ہے۔!“

"ہاں.... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ اصل مجرم کی شخصیت سے واقف نہیں.... خیر اب مجھے وہ لسٹ چاہئے جو تمہیں ڈاکٹر سجاد سے ملی تھی۔!"

"لسٹ نہیں.... اخبار کے تراشے ہیں.... اس نے وہی میرے حوالے کئے تھے۔ آخری آدمی سمیت نو افراد تھے جن کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں اسے غلط دینی پڑی تھیں۔ ان تراشوں میں ان کے نام اور پتے بھی موجود ہیں۔!"

"ابھی تک یہی سب سے بڑا کام ہے اور اس کا سہرا تمہارے سر ہے۔!" عمران اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"یہاں کا موسم بڑا اچھا جا رہا ہے۔ میں کچھ دن اور ٹھہرنا چاہتی تھی۔!"

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ تمہارے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں بھی کچھ گھپلا ہو جائے۔!" عمران مسمسی سی صورت بنا کر بولا۔

"ہاں.... اب تو جانا ہی پڑے گا۔!" جولیا طویل سانس لے کر بولی۔

"آٹھ بجے والے جہاز سے۔!"

"اتنی جلدی....!"

"فضول باتیں نہ کرو.... میک اپ میں تمہیں یہاں سے لے چلوں گا اور میں بھی اپنا حلیہ تبدیل کروں گا۔ یہ ریڈی میڈ میک اپ تو اب ضائع ہو چکا ہے۔ اس گروہ کی ایک لڑکی بھی مجھے اس میک اپ میں پہچان لے گی۔!"

"اوہو.... تو اس حد تک وہ تمہارے قریب رہی ہے۔ کون ہے وہ....؟"

"بڑی عجیب چیز ہے جولیا.... لیکن ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔!"

"آخر تم کب تک میرے لئے درد سر بنے رہو گے۔!"

"کیا مطلب....؟"

"کچھ نہیں....!"

"میں سمجھ گیا....!"

"تم میں کچھ سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔!"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ نہ سمجھوں گا اور نہ مار کھاؤں گا۔ سمجھ دار لوگ عموماً مرغے بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔!"

"تم کتنی دیر یہاں ٹھہرو گے۔!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"بس اب تمہیں ایئرپورٹ پہنچا کر ہی دم لوں گا۔!"

◆

بریگیڈیئر سہراب نے پچھلی جنگ عظیم میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے ان کے صلے میں اس کو متعدد تمغوں سے بھی نوازا گیا تھا اور زرعی زمینیں بھی انعام میں ملی تھیں جن میں اس نے جدید طرز کے فارم بنائے تھے۔

سردار گڈھ سے بیس میل کے فاصلے پر یہ سرسبز و شاداب فارم واقع تھے اور وہیں سہراب نے رہائش کے لئے ایک بڑی خوبصورت عمارت بھی بنوائی تھی جہاں اپنے پندرہ سولہ ملازمین کے ساتھ مقیم تھا اور وہ سب وہاں ایک بڑے خاندان کے افراد کے سے انداز میں رہتے تھے۔ ملازمین کا خیال تھا کہ اس زمانے میں ایسا مالک ملنا مشکل ہے جس کے برتاؤ میں باپ کی سی شفقت پائی جاتی ہے۔ اس نے انتہائی غصے میں بھی کبھی اُن سے اونچی آواز میں گفتگو نہیں کی تھی۔ کبھی کسی بڑے سے بڑے نقصان پر بھی وہ برافروختہ نہیں ہوتا تھا۔ کسی سے کوئی نقصان ہو جاتا تو اس طرح اسے سمجھانے کی کوشش کرتا جیسے ناسمجھ بچوں کو سمجھاتے ہیں۔ بہر حال فارم میں کام کرنے والے ملازمین کا خیال تھا کہ ان کا مالک فوج میں کسی دعا گو بریگیڈ کا سربراہ رہا ہوگا۔ لڑنے بھڑنے والی فوج کا آفیسر تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہر وقت بے حد مغموم نظر آتا اور کبھی کبھی وہ یہ بھی محسوس کرتے جیسے بریگیڈیئر بہت زیادہ خائف ہو۔ ان میں سے کئی اس سے اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کر کے تھک ہارے تھے۔ وہ ہمیشہ ایسے استفسار پر ہنس کر کہہ دیتا۔

"میری شکل ہی ایسی ہے۔ تم لوگ خواہ مخواہ میرے لئے پریشان رہتے ہو۔!"

اس وقت بھی وہ بہت زیادہ خائف نظر آنے لگا۔ جب ایک ملازم نے اُسے کسی اجنبی کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

"کک.... کون ہے....؟" وہ ہکلایا تھا۔

"پتہ نہیں صاحب.... پہلے کبھی نہیں دیکھا۔!" ملازم نے جواب دیا۔

"کک.... کیسا لگتا ہے۔!"

"صورت سے بالکل بیوقوف معلوم ہوتا ہے۔!" ملازم ہنس کر بولا۔

"کیوں آیا ہے....؟"

"یہ تو نہیں بتایا صاحب.... بس آپ سے ملنا چاہتا ہے۔!"

"اچھا.... بٹھاؤ.... اُسے۔!"

وہ سٹنگ روم میں آیا تھا۔ یہاں اُسے جو شخص نظر آیا وہ شائد اس سے بھی زیادہ بوکھلاہٹ میں مبتلا تھا۔ اُسے دیکھ کر کرسی سے اٹھا تھا پھر بیٹھ گیا تھا اور پھر اٹھ کر مصافحے کے لئے آگے بڑھا تھا۔

"آپ کون ہیں.... مجھ سے کیا کام ہے....؟" سہراب نے خوف زدہ سے لہجے میں پوچھا۔

"میں علی عمران ہوں.... آپ کی لڑکی نے بھیجا ہے۔!"

"لل.... لڑکی....!"

"ہاں.... جو بیک وقت لڑکی بھی ہے اور لڑکا بھی....!"

"یہ کیسی بیوقوفی کی بات کہی آپ نے.... معاف کیجئے گا۔!"

"معاف کیا....!" عمران سر ہلا کر بولا اور ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"شہزاد نے کیوں بھیجا ہے آپ کو....؟"

"مجھے ایک ٹن پیلی سرسوں چاہئے۔!"

"میرے یہاں سرسوں کی کاشت نہیں ہوتی۔!"

"یہ تو محترمہ شہزاد نے بھی بتایا تھا لیکن ان کا خیال ہے کہ آپ اس سلسلے میں میری راہنمائی کر سکیں گے۔!"

"وہ بیوقوف ہے.... ایک ٹن سرسوں آپ کسی بھی آڑھتی سے خرید سکتے ہیں۔!"

"چلئے سرسوں کو ماریئے گولی.... میں ویسے بھی آپ سے ملنا چاہتا تھا۔!"

"کیوں....؟"

"مجھے ایک بلیک میلر کی تلاش ہے....!"

"کک.... کیا....!" سہراب بوکھلا کر کھڑا ہو گیا اور خوف زدہ انداز میں دروازے کی طرف دیکھ کر عمران کی طرف مڑا۔

"چلے جایئے.... یہاں سے چلے جایئے۔!"

"بڑی عجیب بات ہے بلیک میلر کے تذکرے ہی پر بداخلاقی پر اتر آئے۔!"

"اوہ.... نہیں.... میں کسی سے بھی نہیں ملتا۔ میں آپ کو نہیں جانتا۔ آپ جھوٹے ہیں۔ شہزاد نے آپ کو نہ بھیجا ہوگا۔!"

"میں جھوٹا نہیں ہوں.... آپ میری توہین کر رہے ہیں۔!" عمران چیخ کر بولا اور بریگیڈیئر اس طرح سہم گیا جیسے عمران اس پر حملہ کرنے والا ہو۔

"آہستہ بولئے.... آہستہ پلیز.... اگر آپ کو کسی بلیک میلر کی تلاش ہے تو آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں۔!"

"اس لئے کہ وہی آپ کو بھی بلیک میل کر رہا ہے۔!"

"شہزاد نے ایسی کوئی بات ہرگز نہ کہی ہوگی۔ ہرگز نہیں....!"

"مجھے یقین ہے کہ آپ اعتراف نہ کریں گے۔ اسی حد تک اس سے خائف ہیں۔!"

"خدا کے لئے چلے جایئے۔!" بریگیڈیئر چاروں طرف دیکھ کر خوف زدہ لہجے میں بولا۔

"اچھی بات ہے.... بریگیڈیئر.... لیکن آپ ایک ایسے شخص کے بارے میں تو گفتگو کر ہی سکیں گے جو بہت عرصہ تک آپ کے ساتھ رہ چکا ہے۔!"

"کک.... کون....؟"

"کرنل جبار غزنوی.... عرف پروفیسر ایکس....!"

"چلے جاؤ یہاں سے....!" بریگیڈیئر حلق پھاڑ کر چیخا۔

شاید اس کی آواز ہی سن کر چار آدمی سٹنگ روم کی طرف دوڑ آئے تھے۔

"اس آدمی کو فوراً یہاں سے نکال باہر کرو۔!" بریگیڈیئر نے عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

وہ چاروں آہستہ آہستہ عمران کی طرف بڑھنے لگے اور عمران کسی لڑاکا عورت کی طرح ہاتھ نچا کر بولا۔ "ارے بس تکلیف نہ کرو تم لوگ.... میں خود ہی جا رہا ہوں۔ ایسے چڑچڑے اور نکچڑھے آدمی کے ساتھ کون اپنا وقت برباد کرنا پسند کرے گا.... ہونہہ....!"

ملازموں نے حیرت سے بریگیڈیئر کی طرف دیکھا اور جہاں تھے وہیں تھم گئے۔ عمران اور نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتا ہوا وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔

فارم تک سفر کرنے کے لئے کیپٹن فیاض نے اس کے لئے ایک پولیس کار فراہم کی تھی جسے

وہ خود ہی ڈرائیو کر کے یہاں پہنچا تھا۔ کار میں بیٹھتے وقت اس نے مڑ کر دیکھا تھا چاروں ملازم اس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔ ”اپنے صاحب سے کہہ دینا۔“ عمران کھڑکی سے ہاتھ نکال کر بولا۔ ”اُن سے زیادہ بد اخلاق آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔!“

پھر گاڑی تیزی سے سڑک کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اب وہ پھر سردار گڈھ واپس جا رہا تھا اور اس کے چہرے پر ایسے ہی تاثرات پائے جاتے تھے جیسے اپنے مقصد میں ناکام نہ رہا ہو۔

گاڑی سردار گڈھ کی طرف بڑھتی رہی۔ دن کے تین بجے تھے۔ سرسبز وادی سے اٹھنے والی بھانت بھانت کی خوشبوؤں سے فضا رچی بسی ہوئی تھی۔ سفید چمکیلے بادلوں میں کہیں کہیں نیلگوں دراڑیں سی نظر آئیں۔ بس اسی حد تک آسمان دکھائی دیتا۔ ہوا میں خنکی تھی۔ گاڑی تیز رفتاری سے مسافت طے کر رہی تھی۔ اچانک ریڈیو ٹیلی فون کا بزر چیخ پڑا۔

عمران نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ریسیور نکال لیا۔

”ہیلو....!“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”کار نمبر زیرو نائن ٹین؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہاں.... ہاں.... تم کون ہو....؟“ عمران بولا۔

”ایک ہمدرد....!“

”اُوہو.... میں نے نام پوچھا تھا۔!“ عمران پیشانی پر شکنیں ڈال کر بولا۔

”تمہاری گاڑی میں ایک ٹائم بم موجود ہے۔!“

”کہاں.... کس جگہ....؟“

”یہ میں نہیں جانتا!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”لیکن وہ صرف تین منٹ بعد پھٹ جائیگا۔!“

”کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔!“

”اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔!“ دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عمران نے گھڑی دیکھی! گاڑی روک کر انجن بند کیا اور دروازہ کھول کر داہنی جانب چھلانگ لگا دی۔ اب وہ بے تحاشہ دوڑا جا رہا تھا۔

زمین ناہموار اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ سڑک سے کتنی دور نکل آیا ہے۔ اچانک اس کا ایک پیر کسی قدر زیادہ نشیب میں چلا گیا اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر نامعلوم گہرائیوں میں لڑھکتا چلا گیا۔ پھر ایسا لگا جیسے کسی جھولتی ہوئی جگہ پر لٹک گیا ہو۔ اس کے گرد اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

پھر اس نے ہلکے سے دھماکے کی آواز سنی تھی اور ایسا معلوم ہوا تھا جیسے زمین جھنجھلا اٹھی ہو۔

”اوہ....!“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ”تو یہ بات ہے۔!“

وہ کسی جال میں پھنس گیا تھا۔ ایسا جال جو کسی گہرے گڑھے میں لگایا گیا تھا اور اسکے دہانے پر درختوں کی ٹہنیاں پھیلا دی گئی تھیں اس نے جال کو مٹھیوں میں جکڑ کر اسکی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور پھر اوپر پہنچنے کی تدبیر کرنے ہی والا تھا کہ آواز آئی۔ ”پھنس گیا“ پھر ایک بے ہنگم سا قہقہہ سنائی دیا۔

تو پھر نکالئے....!“ اس بار نسوانی آواز آئی۔

عمران جال کو چھوڑ کر اپنا سر سہلانے لگا اور تب اسے معلوم ہوا کہ سر کی چوٹ خشک نہیں تھی بلکہ کچھ زیادہ ہی گیلی واقع ہوئی تھی اور گیلا پن شاید پورے چہرے پر پھیل گیا تھا۔

جال میں جنبش ہوئی۔ وہ اوپر کھینچا جا رہا تھا۔ عمران نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا تاکہ سیدھا کھڑا ہو سکے اور پھر جب اوپر پہنچا تو بیک وقت کئی زبانوں سے ”ارے“ نکلا اور سب اس کی طرف جھپٹے۔ تین مرد تھے اور ایک لڑکی۔

”تت.... تم کون ہو....؟“ لڑکی ہکلائی۔

”اب تو پھنس ہی چکا ہوں۔ اس لئے جو نام چاہو رکھ دو....!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”ارے.... انہیں جال سے نکالو...... اوہو.... چوٹ بھی آئی ہے۔ ہمیں افسوس ہے جناب....!“ لڑکی بولی۔

”پھنسنے والے جناب نہیں کہلاتے۔!“

”ہم شرمندہ ہیں.... تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی آدمی پھنسے گا۔!“

عمران کو جال سے نکالا گیا اور ایک آدمی کہنے لگا۔ ”ہم نے اس لکڑ بگڑ کو پھانسنے کے لئے جال لگایا تھا جو ہماری مرغیاں چٹ کر جاتا ہے۔!“

”اتفاق سے میرا نام بھی لکڑ بگڑ ہی ہے۔ کچھ لوگ پیار سے باگڑ بلا بھی کہتے ہیں۔!“

”آپ بہت خوش مزاج معلوم ہوتے ہیں جناب....!“ لڑکی بولی۔ ”میں تو سمجھی تھی کہ آپ اس غلطی پر ہمیں ہر گز معاف نہ کریں گے۔ آپ کے سر میں خاصی چوٹ آئی ہے۔ ہمارے ساتھ چلئے ڈریسنگ کردیں۔“

”وہ تو ہو ہی جائے گی۔ یہ بتایئے کیا ابھی آپ نے کوئی دھماکا سنا تھا....؟“

”ہاں.... تھا تو.... کہیں قریب ہی ہوا تھا۔!“

”تب تو میں واقعی پھنس گیا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”کسی نے میری کار میں ٹائم بم رکھ دیا تھا اور جب اس کے پھٹنے میں صرف تین منٹ باقی ر گئے تو کسی ہمدرد نے اطلاع دی۔!“

”آپ کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔!“

پوری بات سن کر وہ سب متحیر رہ گئے۔ پھر لڑکی عمران کو ساتھ لے کر سڑک کی طرف چل پڑی۔ پہلے وہ اس جگہ پہنچی تھی جہاں اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ پھر ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔

”اب شائد ٹنکی پھٹی ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”تو وہ پولیس کار تھی....؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”جی ہاں.... بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں.... ایک آفیسر سے کار عاریتاً لی تھی۔ خود میر پولیس سے کوئی تعلق نہیں۔!“

”کیا ہم اس جگہ چلیں جہاں حادثہ ہوا ہے۔!“

”میرا تو خیال ہے کہ میں اب اس پولیس آفیسر کو منہ نہ دکھا سکوں گا۔!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”فی الحال آپ کے زخم کی ڈریسنگ ضروری ہے۔ گاڑی میں بیٹھ جایئے۔!“

”اور بقیہ لوگ....؟“

”وہ دوبارہ جال لگائیں گے.... لکڑ بگڑ کو پکڑنا بے حد ضروری ہے۔ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کب آتا ہے اور مرغیاں جھپٹ لے جاتا ہے۔ صرف ایک بار دکھائی دیا تھا۔ لیکن رائفل کی زد پر بھی نہیں آیا۔!“

”آپ مجھے کہاں لے چلیں گی۔!“

”اپنے بنگلے تک زیادہ سے زیادہ دو فرلانگ کے فاصلے پر ہوگا۔!“

”اب ایسا لگتا ہے جیسے پہلے بھی کہیں آپ کو دیکھا ہو۔!“ عمران اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”اخبارات میں تصویر دیکھی ہوگی۔ میں پروفیسر ایکس کی اسسٹنٹ زیکھا چودھری ہوں۔!“

”اوہو.... بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر.... وہ دیکھا تھا اخبار میں رقص کا مقابلہ.... ایک آدمی مر گیا تھا۔!“

”جی ہاں....!“ ریکھا آہستہ سے بولی۔ ”وہ میرے لئے ڈراؤنا تجربہ تھا۔!“

”آپ بہت جاندار معلوم ہوتی ہیں۔!“

”قطعی نہیں جناب وہ پروفیسر کی قوت ارادی کا کرشمہ تھا۔ میں تو پانچ منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتی تیز موسیقی پر....!“

”پروفیسر پُر اسرار قوتوں کے مالک ہیں۔ میں نے سنا ہے۔!“ عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔

”صرف پختہ قوت ارادی کے مالک ہیں.... اور ہاتھ کی صفائی کے ماہر جادوگر نہیں ہیں۔!“ ریکھا بولی۔

عمران کچھ نہ بولا۔ ریکھا خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ پروفیسر سامنے ہی برآمدے میں کھڑا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس کا منہ حیرت سے کھلا تھا اور پھر بند ہو گیا تھا۔

”یہ کون ہے....؟“ اس نے آگے بڑھ کر ریکھا سے پوچھا۔

”میں لکڑ بگڑ ہوں جناب....!“ عمران مسمسی سی صورت بنا کر بولا اور ریکھا ہنس پڑی پھر بولی۔ ”یہ بے چارے اس جال میں پھنس گئے تھے۔!“

”اوہو....! چوٹ بھی آئی ہے۔ اندر لے چلو.... ڈریسنگ کردیں۔!“ پروفیسر کے چہرے سے کرختگی کے آثار غائب ہو گئے۔ وہ ایک کمرے میں لایا گیا اور پروفیسر خود ہی اس کا زخم صاف کر کے پٹی باندھنے لگا۔

”اس سے پہلے انہیں ایک حادثہ بھی پیش آیا تھا۔!“ ریکھا بولی اور عمران سے سنی ہوئی کہانی دہرادی۔ پروفیسر کے چہرے کی نرمی یک بیک پھر تیکھے پن میں تبدیل ہو گئی۔ وہ عمران کو قہر آلود

نظروں سے گھورے جارہا تھا۔ دفعتاً بولا۔ ”میں سب سمجھتا ہوں۔!“

”جی....!“ عمران نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”پولیس کی چالیں.... خوب سمجھتا ہوں لیکن وہ میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہ کر سکے گی تم اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔!“

”کیا قصور ہو گیا جناب.... ابھی تو آپ نے بڑی محبت سے ڈریسنگ کی تھی۔!“

”بس چلے جاؤ.... خیریت اسی میں ہے۔!“

”نہیں... میں آپکے رویے میں اس اچانک تبدیلی کی وجہ معلوم کئے بغیر ہرگز نہ جاؤں گا۔

”کئی دنوں سے میرا تعاقب ہو رہا ہے۔ اب مجھ تک پہنچنے کے لئے یہ چال چلی گئی ہے میرے خلاف کیس بنایا جارہا ہے۔ کہہ دو کہ تمہاری گاڑی میں وہ ٹائم بم میں نے ہی رکھوایا تھا۔!

عمران نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں یا پھر...

”بکواس مت کرو چلے جاؤ یہاں سے۔!“

”ذرا دیکھئے تو سہی....!“ عمران ریکھا کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”میں نے تو لکڑ بگڑ والی بات یقین کر لیا لیکن میری بات پر یقین نہیں آرہا....!“

”پروفیسر پلیز....!“ ریکھا بولی۔

”اچھا تو تم کیا چاہتی ہو....؟“ وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

”کسی ثبوت کے بغیر الزام نہ لگائیے۔!“

”اسے اعتراف ہے کہ وہ پولیس کار تھی۔“

”یوں تو میں سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کی اولاد ہوں۔!“ عمران پروفیسر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”میں کہتا ہوں بکواس مت کرو.... چلے جاؤ یہاں سے۔!“

”میں انہیں اپنے ساتھ لائی ہوں۔ آپ براہِ راست میری توہین کر رہے ہیں۔!“ جھنجھلا کر بولی۔

”تم بھی جہنم میں جاؤ....!“ پروفیسر پیر پٹخ کر بولا اور وہاں سے چلا گیا۔

ریکھا نرم لہجے میں بولی۔ ”آپ بیٹھ جائیے.... دراصل پولیس والوں نے ہم لوگوں کو

پریشان کیا ہے۔!“

”ضرور کیا ہو گا۔!“ عمران بیٹھتا ہوا بولا۔ ”یہ اپنے باپ کے بھی نہیں ہوتے۔!“

”پروفیسر نے اسے زبردستی تو ناچنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔!“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔!“

”ظاہر ہے ایسی صورت میں وہ ہر اجنبی کو شبہے کی نظر سے دیکھیں گے۔!“

”لیکن میں یہاں خود نہیں آیا۔ لکڑ بگڑ بنا کر لایا گیا ہوں۔!“

خیف سی مسکراہٹ ریکھا کے ہونٹوں پر نظر آئی جسے اس نے فوری طور پر دبا بھی دیا۔ پھر بولی۔ ”پروفیسر پر دو اطراف سے یلغار ہے۔!“

”دو اطراف سے کیا مراد ہے۔!“

”ایک طرف پولیس ہے اور دوسری طرف کوئی بدمعاش....!“

”میں نہیں سمجھا....!“

”لیکن بدمعاش والی بات پروفیسر کسی کو بھی بتانے پر تیار نہیں۔ اپنے طور پر اس کی تلاش میں ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ اسے بھی پسند کریں گے یا نہیں کہ میں آپ کو بتا رہی ہوں۔!“

”ریکھا....!“ دفعتاً پروفیسر کی گونجیلی آواز سنائی دی اور وہ دونوں ہی چونک پڑے۔

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ تم میری مرضی کے خلاف بکواس کر رہی ہو اور وہ بھی ایک نبی سے۔!“

”مم.... میں معافی چاہتی ہوں پروفیسر....!“

”اور تم اب تک یہاں سے گئے نہیں....؟“

”چائے یا کافی پیئے بغیر....؟“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ارے اگر یہ کوئی فلمی سین بھی ہوتا تو میں چائے یا کافی ضرور چلتی۔ مجھے اپنے لکڑ بگڑ بننے پر سخت شرمندگی ہے اور پولیس اسٹیشن پر رپورٹ ضرور کراؤں گا۔!“

”شوق سے کراؤ.... مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔!“

”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بدمعاش کی کہانی کیا ہو گی۔!“

”کیا ہو گی....؟“ وہ عمران کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔

”یہی کہ اگر تم نے میرا فلاں کام نہ کیا تو فلاں آدمی کی طرح حیرت انگیز طور پر مر جاؤ گے اور آخری آدمی تمہارے قریب ہی مرا تھا۔!“

”اوہ....!“ پروفیسر کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔

”نہیں چلے گی۔!“ عمران مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”میری قوت ارادی بھی اتنی کمزور نہیں ہے۔ کہ تم مجھ پر اثر انداز ہو سکو.... اور شعبدہ گری میں تو میں تمہیں باقاعدہ طور پر چیلنج کرنے والا ہوں۔!“

”تم اُسی بدمعاش کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!“

”بھلا کس طرح مارو گے۔ بحیثیت لکڑ بگڑ مرنا تو ہرگز پسند نہ کروں گا۔!“

پروفیسر دروازے کی طرف مڑا اور کمرے سے چلا گیا۔

”چلے جایئے.... خدارا جلدی سے چلے جایئے۔!“ ریکھا اسے دوسرے دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

”ارے واہ.... بس بہت دیکھے ہیں۔ میں تو نہیں جاؤں گا۔!“

”سنو.... اگر اس نے ملازمین کو بھی بلا لیا تو....؟“

”دیکھا جائے گا۔!“

اتنے میں پروفیسر پلٹ آیا.... اس کے ہاتھ میں اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور تھا۔

”نہیں....!“ ریکھا چیخی۔

”خاموش رہو....!“ پروفیسر دہاڑا تھا۔

عمران خاموش کھڑا ریوالور کو اس طرح گھورے جا رہا تھا جیسے پہلی بار نظر سے گذرا ہو۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!“ پروفیسر غرایا۔

”پہلے تم یہ بتاؤ کہ یہ بندوقیا کتنے میں آتی ہے۔ میں بھی خریدوں گا....؟“ عمران نے مسرت لہجے میں پوچھا۔

”میں کہتا ہوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔!“

”نہیں اٹھاتا....!“

”اٹھادو.... اٹھادو....!“ ریکھا روہانسی ہو کر بولی۔

”ہرگز نہیں.... وہ میری بغلیں دیکھنا چاہتا ہے۔ مجھے شرم آتی ہے۔!“

”مت بکواس کرو....!“ پروفیسر جھینپے ہوئے انداز میں چیخا تھا۔

”یار تم کیسے آدمی ہو.... میں ابھی تک سمجھ نہیں سکا۔!“

پروفیسر چند لمحے اسے تولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا پھر ریوالور جھکا لیا اور نرم لہجے میں بولا۔

”تم اس بدمعاش کے طریق کار کے بارے میں کیا جانو.... تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ جان سے مار دینے کی دھمکی دیتا ہے۔!“

عمران نے قہقہہ لگایا اور انگلی نچا کر بولا۔ ”ابھی سچ مچ بتادوں گا تو یہ بُرا مان جائیں گی۔!“

”کک.... کیا مطلب....؟“ ریکھا ہکلائی۔

”اس نے مجھے بھی دھمکی دی تھی۔!“ عمران سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔

”تمہیں....؟“ پروفیسر کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں.... اس نے کہا تھا کہ کسی طرح پروفیسر کی سیکریٹری کو پھانسنے کی کوشش کرو ورنہ ان نو آدمیوں کی طرح مار ڈالے جاؤ گے۔ میں نے پوچھا کن نو آدمیوں کی طرح؟ اس نے اخبارات کے حوالے سے ان کے نام اور پتے بتائے۔ یہ دیکھو....! میں نے اخبارات تلاش کر کے تراشے جمع کئے ہیں۔!“ عمران نے جیب سے جولیا کے دیئے ہوئے تراشے نکالے اور پروفیسر کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”کیا یہ محض اتفاق ہے کہ مجھے اپنی گاڑی اسی جگہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا جہاں سے قریب ہی تمہاری سیکریٹری لکڑ بگڑ کے لئے جال لگائے بیٹھی تھی۔!“

”یہ سب کیا بکواس ہے۔!“ ریکھا غصیلے لہجے میں بولی۔

”خاموش رہو....!“ پروفیسر غرایا۔ ”اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ دفعتاً وہ چونک کر اسے گھورنے لگا پھر بولا۔ ”تمہارا وہاں کیا کام....؟“

”کہاں....؟“

”جہاں لکڑ بگڑ کے لئے جال لگایا گیا تھا۔!“

”بس یونہی چلی گئی تھی تماشہ دیکھنے کے لئے۔!“

”آج ہی کیوں چلی گئی تھیں؟ جال تو کئی دنوں سے لگایا جا رہا ہے۔!“

”کیا میری نقل و حرکت پر پابندی لگی ہوئی ہے۔!“ ریکھا بھی تیز ہو کر بولی۔

”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔!“

”پروفیسر.... پروفیسر!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جھگڑا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میر یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بدمعاش مجھے اس طرح تمہاری سیکریٹری تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اب یہ پھنسیر پھنسیں ان کی مرضی۔!“

”اب تم فوراً چلے جاؤ یہاں سے ورنہ سچ مچ گولی مار دوں گا۔!“

”کیا خیال ہے چل رہی ہو میرے ساتھ....!“ عمران ریکھا کو مخاطب کر کے بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”ہم دونوں الگ اپنا شو کریں گے۔ پروفیسر سے کہیں زیادہ جدید ہوں اپنے فن میں....؟“

”اچھا تو تم اس طرح اس بدمعاش کے حکم کی تعمیل کرنا چاہتے ہو۔!“ پروفیسر دہاڑا۔ ساتھ ریوالور کی نال پھر عمران کی طرف اٹھ گئی۔

”وہ بدمعاش تم خود ہی ہو پروفیسر.... میں بہت جلد ثابت کر دوں گا۔!“ عمران نے سرد میں کہا۔

”تب تو تمہیں زندہ ہی رہنا چاہئے۔!“ پروفیسر طنز سے بولا۔

ریکھا کبھی عمران کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی پروفیسر کی طرف۔

پروفیسر پھر بولا۔ ”جاؤ.... میرے خلاف ثبوت فراہم کرو۔ فوراً نکل جاؤ یہاں ورنہ د دے کر نکال دوں گا۔!“

”اچھی بات ہے میں جا رہا ہوں۔!“

”میں بھی اب یہ ملازمت جاری نہیں رکھ سکتی۔!“ ریکھا بول پڑی۔

”تم بھی جہنم میں جاؤ....!“ پروفیسر پیر پٹخ کر بولا۔

”میرے وہ تراشے تو واپس کر دو!“ عمران نے کہا اور پروفیسر نے انہیں دیکھے بغیر عمران کی طر اچھالتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں فوراً دفع ہو جاؤ اور تم ریکھا پہلی تاریخ کو آ کر اپنا حساب کر لینا۔“

وہ دونوں خاموشی سے باہر نکل آئے۔ پروفیسر چیخ چیخ کر پتا نہیں کیا کہتا رہا تھا۔

”لیکن.... میں اب کہاں جاؤں گی۔!“ ریکھا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”کیوں....؟ میں نہیں سمجھا....!“

”یہاں میرا کوئی گھر نہیں ہے۔!“

”کہیں تو ہو گا....!“

”لیکن میں وہاں کیا منہ لے کر جاؤں گی۔!“

”گھر سے بھاگی تھیں....!“

”ہاں.... چار سال پہلے کی بات ہے۔ دھوکا کھا گئی تھی پھر ادھر اُدھر بھٹکتے رہنے کے بعد تین ہ قبل پروفیسر سے ملاقات ہوئی۔!“

”فکر نہ کرو.... رہنے کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ چلو.... کچھ دور پیدل چلنا پڑے گا۔!“

وہ اسے اس ہٹ میں لے آیا جہاں چوہان اور خاور مقیم تھے۔ لیکن وہ انہیں پہلے ہی دوسری جگہ منتقل کر چکا تھا۔

”تم نے بہت بُرا کیا....!“ دفعتاً ریکھا بولی۔

”کس واقعے کی طرف اشارہ ہے تمہارا....؟“

”تم نے اس سے بدمعاش کے طریق کار کا تذکرہ کیوں کیا تھا اور پھر لاؤ۔ مجھے تو دینا وہ تراشے!“

”عمران نے اخبار کے تراشے جیب سے نکال کر اسے تھما دیئے وہ انہیں غور سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”مجھے شروع ہی سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں غلط جگہ پہنچ گئی ہوں۔!“

”اوہو تو کچھ بتاؤ نا....!“

”پروفیسر بے حد پراسرار ہے۔ چالاک بھی ہے۔ میں یقین نہیں کر سکتی کہ کوئی بدمعاش اسے دھمکی دینے کی جرأت کر سکے گا جبکہ پولیس والے بھی بے بسی سے اس کی شکل تکا کرتے ہیں۔!“

”تم غالباً یہ کہنا چاہتی ہو کہ نویں آدمی کی موت کا ذمہ دار وہ خود ہی تھا۔!“

”پھر اور کون تھا اس کے قریب.... یا میں تھی یا پروفیسر.... اور مجھے تو ہوش ہی نہیں کہ س وقت کیا ہو رہا تھا۔!“

عمران کچھ نہ بولا۔ احمقانہ انداز میں اس کی شکل دیکھے جا رہا تھا۔ یک بیک وہ چونک کر دلی۔ ”کیا تم بالکل ہی بیوقوف ہو....!“

”کک.... کیا مطلب....؟“

”اگر تمہارا تعلق پولیس سے ہے تو فوراً اپنے لئے مدد طلب کرو۔ اپنے آفیسر کو ان حالات

سے مطلع کرو جن سے دوچار ہوئے ہو۔ شائد تم نے ابھی تک گاڑی میں ٹائم بم کے بارے میں بھی کسی کو کچھ نہیں بتایا۔!"

"نن.... نہیں.... ارے باپ رے۔!" وہ نروس ہو جانے کے سے انداز میں دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"ارے تو مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں چلے۔ کیا میں اس کا مقابلہ کر سکوں گی۔!"

"کس کا....؟"

"پروفیسر کا.... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ مجھے آسانی سے معاف کردے گا.... اور ٹھہرو.... میرے خدا میں تو بڑی مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہوں۔!"

"کہو.... کہو....!" عمران خوف زدہ لہجے میں بولا۔

"اس بدمعاش نے تم سے کہا تھا کہ پروفیسر کی سیکریٹری کو پھانسو....!"

"کہا تو تھا.... اور پھر خود ہی آگاہ بھی کر دیا کہ گاڑی میں ٹائم بم رکھا ہوا ہے۔!"

"تو تم نے مجھے پھانس لیا....؟"

عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا دیا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "نہیں۔ تم تو خود آ پھنسی ہو! میں نے تو کوشش نہیں کی تھی۔!"

"تمہارا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے معلوم ہوتا ہے۔!" ریکھا اُسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ پروفیسر بھی تمہاری حقیقت سے آگاہ ہے اسطرح اس نے تمہیں غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

"میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے نہیں ہے۔ صرف ایک آفیسر سے میری دوستی ہے۔ سے گاڑی عاریتاً لی تھی۔!"

"خیر....!" وہ سر ہلا کر بولی۔ "مجھے اس سے کیا تم کوئی بھی ہو۔ پروفیسر کیسا ہی ہو میرے لئے بُرا نہیں تھا لیکن تمہاری وجہ سے میری ملازمت بھی گئی۔ ویسے کیا تم یہیں رہتے ہو۔!"

"ہاں.... تفریح کرنے آیا تھا۔ اس وبال میں پڑ گیا۔!"

"یہ جگہ تو مخدوش ہے۔!"

"ہوا کرے.... مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔!"

"میں تو یہاں نہیں رہ سکتی۔ تم مجھے کسی محفوظ جگہ پہنچا دو....!"

"خواہ مخواہ!" عمران سر جھٹک کر بولا۔ "اتنی محنت سے تو ہاتھ لگی ہو۔ پہنچا دوں کہیں اور۔!"

"کیا مطلب....؟"

"وہ کیا کہتے ہیں اسے.... قصہ حاتم طائی با تصویر میں پڑھا تھا.... وہ جو پہلی ہی نظر میں ہوجاتی تھی۔ بس دیکھا اور بیہوش ہوگئے اور وہ ہوگئی۔ پہلی ہی نظر میں.... پہلی ہی نظر میں۔!"

"پتہ نہیں کیا بکواس کر رہے ہو....!"

"دراصل مجھے تم سے پہلی ہی نظر میں بکواس ہوگئی ہے۔!"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو....!" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"اس طرح غرا کر پوچھو گی تو کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ واہ بھئی....!"

"میں یہاں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔ مجھے جانے دو....!"

عمران نے اُسے غور سے دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اس سے اخبار کے تراشے چھین لئے۔

"میں جا رہی ہوں۔!" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

عمران نے اسے روکا نہیں لیکن اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

◆

رات تاریک تھی اور عمران اس ہٹ میں تنہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ساری دنیا سے منہ چور ہو گیا ہو۔ سردار گڈھ کی پولیس کو اس کی تلاش تھی کیپٹن فیاض بے حد پریشان تھا۔ کار کے دھماکے اور اس کی تباہی کا علم پولیس کو ہو چکا تھا لیکن فیاض کو تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ عمران نے کہاں جانے کے لئے اس کے توسط سے گاڑی حاصل کی تھی۔

آج خنکی معمول سے زیادہ تھی۔ لیکن ابھی تک عمران نے شب خوابی کا لباس نہیں پہنا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لیٹنے کا ارادہ ہی نہ ہو۔ تنہائی میں بھی احمق ہی لگ رہا تھا۔ "یا یہ ہوگا.... یا وہ ہوگا۔!" دفعتاً وہ بڑبڑایا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا جسے اس نے شائد دیدہ دانستہ بولٹ نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بڑبڑایا۔ "یا پھر میں ہی چغد ہوں۔!"

ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....!" عمران کراہا۔

فوراً ہی دروازہ کھلا اور ریکھا کمرے میں داخل ہوئی اس نے اسکرٹ اور بلاؤز پہن رکھا تھا اور

کسی معصوم سی بچی کی طرح ہاتھ میں ایک ٹیڈی بیئر (مخملی ریچھ) لئے ہوئے تھی۔

"جاگ رہے ہو.... ؟" اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"لل.... لیکن تم کہاں اتنی رات گئے؟ بھاگو.... ورنہ لوگ بات کا بتنگڑ بنا دیں گے۔!"

"میں تمہیں بتانے آئی ہوں کہ پروفیسر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ یہاں سے نکل کر تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ اس سے مڈ بھیڑ ہو گئی میری ہی تلاش میں نکلا تھا۔!" اس نے کہا اور کرسی کھینچ کر عمران کے مقابل ہی بیٹھ گئی۔ ٹیڈی بیئر کو میز پر رکھ دیا۔ جس کا رخ عمران کی طرف تھا۔

عمران اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "تم شائد بستر سے اٹھ کر آ رہی ہو۔ اس ناہنجار کو تو وہیں چھوڑ آئی ہوتیں۔!"

"کیوں کیا یہ تمہیں اچھا نہیں لگتا.... ؟"

"ہرگز نہیں.... رقیب لگ رہا ہے۔!"

"کمال کرتے ہو....!" اس نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ ٹیڈی بیئر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عمران کی نظر ٹیڈی بیئر ہی پر تھی جیسے ہی ریکھا نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا۔ عمران نے بڑی پھرتی سے اس کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں ٹیڈی بیئر کے منہ سے سفید رنگ کے پاؤڈر کی پھوار سی نکل کر ریکھا کے چہرے پر پڑی تھی اور پھر اس کی زبان سے "ارے" کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکا تھا وہ کرسی سے لڑھک کر چوبی فرش پر جا رہی۔ اتنی دیر میں عمران کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ میں پہنچ چکا تھا۔ پھر اس نے کمرے کی روشنی بھی بجھا دی۔ سوئچ بورڈ دروازے کے قریب ہی تھا۔

ذرا ہی دیر بعد تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔ "کیا وہ بیہوش ہو گیا؟" جو کوئی بھی کمرے میں داخل ہوا تھا اتنی آہستگی سے آیا تھا کہ عمران کو اس کا احساس تک نہ ہو سکا۔

"تم کہاں ہو...." سرگوشی پھر سنائی دی۔

ٹھیک اسی وقت عمران نے روشنی کا سوئچ آن کر دیا۔ سامنے ایک مفلوک الحال مگر توانا آدمی کھڑا نظر آیا۔ جس کے جسم پر بھکاریوں کا سا شکستہ خرقہ تھا۔ سر اور ڈاڑھی کے گھنے بال گرد آلود تھے وہ عمران کو خوں خوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عمران کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہ ہو۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے....!" دفعتاً وہ دہاڑا۔

"میاں بیوی کے معاملات میں دخل انداز ہونے والے تم کون ہو.... ؟" عمران بولا۔

"میاں بیوی....!" اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں دہرایا۔

"جناب عالی.... ؟"

"تب تو بڑی غلطی ہوئی معاف کرنا....!" اس نے کہا اور دروازے کی طرف گھوم گیا۔ لیکن عمران اگر پل بھر کے لئے بھی غافل ہو گیا ہوتا تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل جاتا کیونکہ اجنبی کا چھوڑا سا ڈنڈا پوری قوت سے ریوالور والے ہاتھ کی طرف گھوما تھا اور پھر عمران اس مجہول سے آدمی کے پھرتیلے پن پر متحیر ہی رہ گیا کیونکہ وار خالی جاتا دیکھ کر اس نے عمران کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس بُری طرح اس پر ٹوٹ پڑا تھا جیسے فائر ہو جانے کا خدشہ ہی نہ رکھتا ہو۔ عمران نے خود ہی ریوالور دور پھینک دیا لیکن پھر ذرا ہی سی دیر میں اپنی اس حماقت پر پچھتانے لگا۔ حملہ آور اس سے زیادہ وزنی تھا اور طاقت میں بھی غیر معمولی ہی ثابت ہو رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے فرش پر لڑھکتے پھر رہے تھے۔ پھر اچانک ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ "سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ تمہارے جسم چھلنی ہو جائیں گے۔!"

حملہ آور کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ پروفیسر ایکس ریوالور لئے دروازے میں کھڑا تھا۔ عمران حملہ آور کی گرفت سے نکل کر اپنے ریوالور پر جا پڑا۔

"نہیں.. نہیں!" پروفیسر غرایا۔ "میں نے دیکھ لیا ہے۔ ریوالور کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ گولی مار دونگا۔!"

عمران چپ چاپ اٹھ گیا۔ اجنبی ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا اور عمران نے اس کی آنکھوں میں کسی قدر خوف کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔

"ریکھا کو ہوش میں لاؤ... تم نے اسکے ساتھ کیا کیا ہے۔!" پروفیسر نے عمران کو مخاطب کیا۔

قبل اس کے کہ عمران کچھ کہتا مفلوک الحال اجنبی بول پڑا۔ "اگر میں دخل اندازی نہ کرتا تو یہ اس کو....!" اس کا جملہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ پروفیسر کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ کر فرش پر آ گرا تھا اور خود وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ اس کے پیچھے خاور تھا جس کے ریوالور کی نال اس کی گردن سے لگی ہوئی تھی۔ اجنبی پروفیسر کے ریوالور کی طرف جھپٹا۔ لیکن عمران نے آگے بڑھ کر اس کی کنپٹی پر ایک زوردار مکا رسید کر دیا۔ اس کے بعد اپنا اور پروفیسر کا ریوالور قبضے میں کرتے

ہوئے اجنبی کی طرف دیکھا تھا جو دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا۔

"تم دروازے پر رہ کر انہیں کور کیئے رکھو۔!" عمران نے خاور سے کہا۔ "تاکہ تھوڑی سی گفتگو بھی ہو جائے۔!"

خاور دراصل پروفیسر کے بنگلے کی نگرانی ہی پر لگایا گیا تھا۔ جو اس وقت ان کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔

دفعتاً عمران نے پروفیسر سے پوچھا۔ "پروفیسر تمہاری سرخ رنگ والی گاڑی کہاں گئی....؟"

"میرے پاس کبھی کوئی سرخ رنگ کی گاڑی نہیں رہی۔ مجھے سرخ رنگ سے ہی نفرت ہے۔!" پروفیسر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ٹھیک....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "وہ بھی محض فراڈ تھا۔ اس لئے کہ ایک شخص تمہارے گرد شبہات کے جال بن رہا تھا۔!"

"کون شخص....؟"

"یہ شخص....!" عمران نے اجنبی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔!"

"تم جانتے ہو پروفیسر.... بہت عرصے تک اس کے ساتھ رہے ہو۔!"

اجنبی نے پھر عمران پر چھلانگ لگائی۔ عمران نے جھکائی دے کر ریوالور کا دستہ اس کی گردن پر پوری قوت سے مارا تھا۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی کراہ نکلی اور وہ منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر اس نے جنبش نہیں کی تھی۔

"آؤ.... دیکھو....!" عمران نے پروفیسر سے کہا اور جھک کر بوڑھے کے چہرے سے مصنوعی گھنی ڈاڑھی اور مونچھیں الگ کرنے لگا۔

"بریگیڈیئر سہراب.... میرے خدا....!" پروفیسر نے کہا اور لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ عمران نے خاور سے دروازہ بند کرنے کو کہا تھا۔

"تم اسے بلیک میل کر رہے تھے۔!" عمران نے پروفیسر کو مخاطب کیا۔

"ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں.... اوہ.... میں سمجھا یہی وہ سور تھا۔ خدا اسے غارت کرے میرا سب کچھ لینے کے بعد بھی مجھے چین سے بیٹھا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ تمہیں ریکھا نے جس نامعلوم بدمعاش کے بارے میں بتایا تھا وہ یہی ہو سکتا ہے۔ مجھے دھمکیاں دیتا تھا۔ نو آدمی پتہ نہیں کس طرح مار ڈالے۔ دو دن پہلے ان کے نام اور پتے بتاتا تھا اور ان کے مرنے کا وقت معین کر دیتا تھا جب میں نے اس کی بات نہ مانی تو نویں آدمی کو میرے ایک کرتب ہی کے دوران میں ختم کر دیا۔ جانتے ہو یہ مجھ سے کیا چاہتا تھا؟ یہ چاہتا تھا کہ میں کچھ ذمہ دار شخصیتوں کو ہپنوٹائز کر کے ان سے سرکاری راز معلوم کروں.... اور اسے بتاؤں....!"

"لیکن پھر اس نے تمہارے پیچھے پولیس کو لگانے کی کوشش کیوں کی تھی....؟" عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تاکہ میں بہت زیادہ نروس ہو کر اس کی مرضی کے مطابق کام کرنے لگوں۔!"

"اس لڑکی اور بریگیڈیئر کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو۔!" عمران نے خاور سے کہا۔

"لڑکی کے ہتھکڑیاں نہیں.... وہ بے قصور ہے۔!" پروفیسر بولا۔

"ہاں.... میں بے قصور ہوں۔!" لڑکی کراہی۔ اسے ہوش آ گیا تھا۔

"تم کسی طرح بھی بے قصور نہیں ہو سکتیں محترمہ عالیہ عمرانہ....!"

"کک.... کیا نام لیا تم نے....!" پروفیسر چونک پڑا۔

"آپس کی باتیں ہیں۔!" عمران بائیں آنکھ دبا کر بولا اور خاور نے لڑکی کے احتجاج کے باوجود بھی اس کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے شاید اس کے پاس اس وقت ایک ہی جوڑا ہتھکڑیوں کا تھا جو اس نے بیہوش بریگیڈیئر کے ہاتھوں میں ڈال دیا تھا۔

"یہ زیادتی ہے.... تم سمجھتے نہیں....!" پروفیسر نے عمران سے کہا۔

"یہ بریگیڈیئر کی بیٹی شہر زاد ہے۔ احمق لڑکی.... شاید سمجھی تھی مجھے بھی دھوکا دے نکلے گی۔ میں نے اسے کئی شکلوں میں دیکھا ہے لیکن یہ اس کی اصلی شکل ہے البتہ ریکھا چودھری اصلی نام نہیں ہے۔!"

"یہ بریگیڈیئر کی بیٹی....!" پروفیسر اس طرح بولا جیسے سوتے میں بڑبڑایا ہو۔ پھر چونک کر بولا۔ "بریگیڈیئر کی کوئی بیٹی نہیں تھی.... یہ میری بیٹی ہے۔ میری اپنی بیٹی۔!"

ذرا دیر کو سناٹا چھا گیا۔ عمران اور ریکھا دونوں حیرت سے آنکھیں پھاڑے پروفیسر کو گھورے جا رہے تھے۔ پروفیسر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "پہلے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ پھر

میں دیکھوں گا کہ وہ کس طرح میرا سامنا کرتا ہے۔ یہ وہ احسان فراموش شخص ہے جس کے میں نے اپنی جان کی بازی لگادی تھی لیکن اس نے میری بقیہ زندگی کو جہنم بنا کر رکھ دیا۔!"

عمران نے پروفیسر سے کہا۔ "اس کے ہوش میں آتے ہی بولنا مت شروع کر دینا۔ بر میرے سوالات کے جواب دیتے رہنا۔!"

پروفیسر نے سر کو جنبش دی اور ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔ جواب سر جھکائے بیٹھی تھی۔

سہراب کچھ دیر بعد ہوش میں آگیا۔ اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا تھا اور شاید بچویشن کو سمجھ کی کوشش کر رہا تھا۔ دفعتاً وہ پروفیسر کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

"یہی ہے وہ بلیک میلر جس نے میری زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ تم نے ہتھکڑیاں میرے ہاتھو میں ڈالی ہیں اور وہ آزاد کھڑا ہے۔!"

"جوش میں آنے کی ضرورت نہیں بریگیڈیئر....!" عمران سرد لہجے میں بولا۔ "ویسے مجھے ضرور بتاؤ کہ بیچارے سجاد نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ آخر تم کس سے چھپانا چاہتے تھے کہ زہر کا اثر محض دل ہی تک محدود رہتا ہے....؟"

"خاموش رہو....!" بریگیڈیئر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "مجھے جانے دو۔ ورنہ تمہیں عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔!"

"زہر...؟ جس کا اثر دل ہی تک محدود رہتا ہے۔" پروفیسر عمران کو گھورتا ہوا بولا۔

"ہاں ایسا زہر جس کا سراغ صرف دل ہی میں مل سکتا ہے۔!"

"جوراکوٹی....!" پروفیسر بریگیڈیئر کو گھورتا ہوا بولا۔ "کیوں؟ میرا خیال ہے یہاں میر۔ اور تمہارے علاوہ شائد ہی کوئی اس زہر سے واقف ہو۔!"

"سب بکواس ہے....!" سہراب دہاڑا۔

"اب میں سمجھ گیا۔!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "اسی لئے ڈاکٹر سجاد کو مار ڈالنے کی دھمکی دے صحیح رپورٹ دینے سے باز رکھا گیا تھا کہ پروفیسر تم یقینی طور پر اصل مجرم کی نشاندہی کر دیتے بہرحال بریگیڈیئر سہراب جب تمہیں خدشہ ہوا کہ کہیں بات ڈاکٹر سے آگے نہ بڑھ جائے تو نے اسے پھانسی دے کر خودکشی کا کیس بنا ڈالا۔ یہی حشر پروفیسر کا بھی ہوتا مگر مقصد براری ۔ بعد۔ پولیس کو اسی لئے پروفیسر کے پیچھے لگانے کی کوشش کی تھی کہ پروفیسر کا قتل بھی خودکشی روپ دھار سکے۔ پولیس یہی سمجھتی کہ پروفیسر نے راہ فرار نہ پا کر خودکشی کر لی اور تم اپنے مقصد یعنی بعض سرکاری رازوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

سہراب کی ٹھوڑی سینے سے جالگی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔

"اب پروفیسر تم مجھے اُس زہر اور اس لڑکی کے بارے میں بتاؤ۔!" عمران نے کہا۔

"افریقہ کا ایک قبیلہ اسے بڑے جانوروں کے شکار کے لئے استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ دل کے علاوہ اور کسی حصے میں زہر نہیں ٹھہرتا اور نہ اسے متاثر کرتا ہے۔ پھر اس جانور کا دل نکال کر پھینک دیا جاتا ہے اور بقیہ حصہ کو بے خطر خوراک کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔!"

"اب مجھے لڑکی کے بارے میں بتاؤ۔!" عمران نے کہا اس پر پروفیسر بولا۔ "سہراب زیادہ بہتر طور پر بتا سکے گا۔!"

"ہاں....! یہ تمہاری ہی بیٹی ہے۔!" سہراب زہریلے لہجے میں بولا۔ "کیوں؟ کیا تمہیں بتاتے ہوئے شرم آتی ہے کہ تمہاری بیوی اس بچی سمیت میرے ساتھ بھاگ گئی تھی۔!" ریکھا کے حلق سے ایک کربناک سی چیخ نکلی تھی اور وہ ایک بار پھر بیہوش ہو گئی۔

سہراب نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "لیکن تم مجھے کسی عدالت میں پیش نہ کر سکو گے۔ کوئی حقیر چیونٹا میری سزائے موت نہ تجویز نہ کر سکے گا۔ میں نے ساری زندگی من مانی کی ہے۔ اب بھی کر چکا ہوں.... یہ دیکھو میں مر رہا ہوں۔ اپنے ہاتھوں۔!" اس نے پھر قہقہہ لگانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اس کے حلق میں ہی گھٹ کر رہ گیا۔

"جوراکوٹی....!" پروفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس نے وہی زہر خود استعمال کیا ہے....وہ....وہ....دیکھو.... ختم ہو گیا۔!"

رات کا سناٹا کچھ اور گہرا ہو گیا۔

وہ تینوں خاموش کھڑے تھے....اور وقت چیختا....کراہتا... ہوا کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

﴿ختم شد﴾